ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ/October 2024

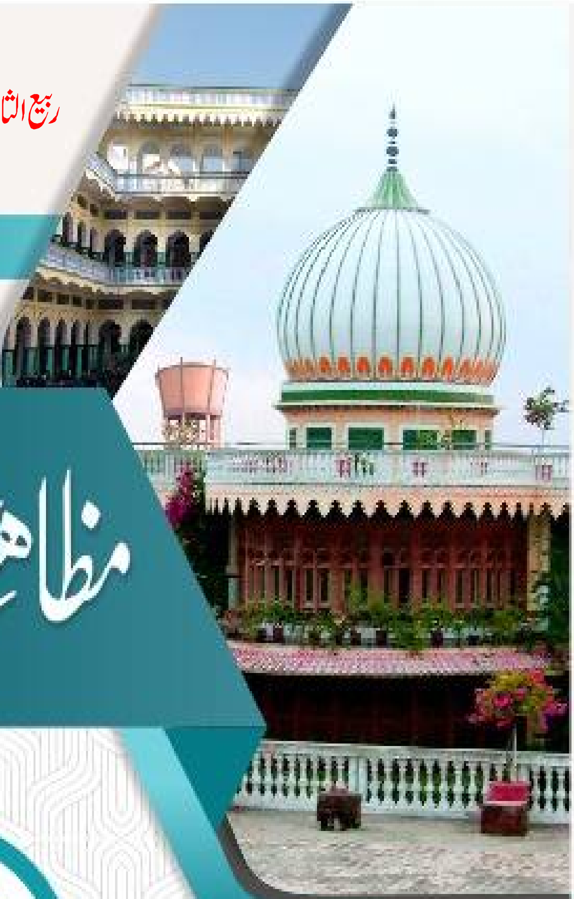

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

مدرسہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۳۰

شمارہ نمبر ۶

مجلس ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری
- مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

بابت

ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ

اکتوبر ۲۰۲۴ء

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل مدظلہ ناظم مدرسہ

نگران

مولانا مفتی محمد سید صالح الحسنی امین عام مدرسہ

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

زرتعاون

فی شمارہ ——— ۳۰ روپے

سالانہ زرتعاون ——— ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ——— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	ذرا نم ہوتو یہ مٹی بڑی زرخیز....	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	تقدیر پر ایمان (۳)	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپور	۸
انوار حدیث	انصار کے فضائل (۳)	مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری	۱۱
مقالات و مضامین	آزادی اور اس کی حدیں	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۳
	زبان اردو کی تاریخ	مولانا مفتی روح الحق رشادی قاسمی	۱۸
	سنت نبویہ کا تشریعی مقام	مولانا محمد معاویہ سعدی	۲۶
	یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا	مولانا مفتی محمد حیان بیگ	۳۱
	قرآن کے تاریخی واقعات (۹)	مولانا مفتی محمد عبداللہ مظاہری	۳۵
	دفاع امام ابوحنیفہ (۵)	مولانا مفتی محمد جابر میواتی	۳۹
	ملفوظات اکابر	مولانا مفتی شعیب احمد بستوی	۴۵
	اخبارِ مظاہر	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۷

دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے،
آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

ادھر مسلسل کئی سال سے یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ اسلام اور ملک دشمن افراد و جماعتیں کمالِ ہوشیاری سے مسلمانوں کے درمیان مختلف مسائل کھڑے کرکے ان کی تشہیر اور ان پر بحث و مباحثہ کے لئے اپنی پوری طاقت صرف کردیتی ہیں اور مسلمانوں کا ہر طبقہ اسی میں الجھ کر رہ جاتا ہے، لمبی لمبی بحثیں، اخبارات و میڈیا پر ان کے سلسلہ میں ایک ہنگامہ، ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی ہوڑ میں لگ جاتا ہے اور مسلم امت اپنے اصل اہداف و مقاصد سے کوسوں دور ہوجاتی ہے، حالاں کہ ''اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا'' کے پیش نظر مسلمانوں کا دائرۂ فکر اور ان کی توجہات کی دنیا بڑی وسیع ہے، طائرِ فکر کی پرواز با مقصد ہونی چاہئے جو کہ مقصود و محمود ہے۔

اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ گذشتہ کئی سال سے ہمارے ملک ہندوستان میں مذہب کے نام پر جس برے انداز میں فرقہ پرستی کو ہوا دی جارہی ہے اور مختلف انداز سے مسلمانوں کو خوفزدہ اور ہراساں کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں وہ ہندوستانی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے، ہندوستان کا نظام جمہوری ہے، یہاں بسنے والے تمام افراد آئینی اور قانونی اعتبار سے مذہبی معاملات میں خودمختار اور آزاد ہیں، لیکن آج جمہوریت اور آئین کو ایک تماشا بنا کر رکھ دیا گیا ہے، ہندوستان میں بسنے والی اقلیتوں خاص طور سے یہاں کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کو جمہوری اور آئینی حقوق سے بے دخل کرنے کی ایک زبردست مہم اور منصوبہ بند طریقہ سے ایک تحریک چلائی جارہی ہے، آزادی کے بعد سے ہر دور میں ایک ذہنیت اس ملک میں ایسی رہی ہے، جو ملکی سالمیت اور تعمیر ملک و وطن کے منافی کردار ادا کرتی رہی ہے اور مسلمانانِ ہند اُن کی نظروں کا کانٹا بنے رہے، اسی منفی ذہنیت کے افراد ملک میں سیاسی اقتدار حاصل کرکے ایوان حکومت میں پہونچ چکے ہیں، ظاہر سی بات ہے مسلم دشمنی کا جو کام پہلے شخصی، یا علاقائی طور پر انجام دیا جاتا تھا اب وہی کام حکومتی اور سرکاری سرپرستی میں انجام دیا جارہا ہے اور یہ بات ملک کی سالمیت

اوراس کی ترقی اور یہاں کے امن وسکون اور تعمیر وطن کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

اسلام دشمن افراد و جماعتیں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں ، آج مسلمانوں کو ہندوستان میں آئینی اور جمہوری تحفظ اس قدر حاصل نہیں ہے جتنا ہونا چاہئے،مسلمانوں کے حقوق کی پامالی ہورہی ہے،آج ہرطرف سے آواز آرہی ہے کہ مسلمان ترقی کی راہ میں بہت پیچھے ہیں،زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہیں دے پارہے ہیں، دقیانوس ہیں،رجعت پسند ہیں اور نہ جانے اس انداز کے کتنے آوازے کسے جارہے ہیں،اس میں ایک طرف تو دشمن کی سازش ہے کہ مسلمانوں کے خلاف اتنا زہرا گلا جائے کہ انہیں خوداپنے وجود سے گھن آنے لگے،دوسری طرف ’’ہم اپنے گھر میں آگ خودلگارہے ہیں‘‘ والا معاملہ ہے۔

۳؍اکتوبر ۲۰۲۴ء کوڈاسنادیوی مندر غازی آباد کے مہنت ’’یتی نرسنگھانند سرسوتی‘‘ کی طرف سے محسنِ انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین آمیز،انتہائی گستاخانہ اوردل آزار ہفوات سامنے آئی ہیں،جن سے سبھی مسلمانوں کے قلوب میں ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو جومحبت وعقیدت ہے عصر حاضر کے دشمنان اسلام اس سے بخوبی واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے مسلمانوں کا تعلق ایمان وعقیدہ کا ہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وعظمت پر ذرہ برابر آنچ آجائے اور مسلمان پرسکون رہیں ممکن نہیں، اس کے باوجود اہانت رسول کی جرأت کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا گیا ہے،جب کہ شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوخوب پتہ ہے کہ مسلمان عملی اعتبار سے جتنے بھی ناکارہ اورفکری لحاظ سے جس قدر بھی منتشر ہوں مگر محبت رسول کی چنگاری ان کے خاکستر میں اب بھی دبی ہے جوذرا سا کریدنے پر آتش فشاں بن کر پھٹ پڑے گی،مسلمان اپنے ایمان وعقیدہ کا سودا نہیں کرسکتے،آخری سرمایہ نہیں لٹا سکتے،ایک مسلمان کا کل اثاثہ اورمتاع دین وایمان اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کی حفاظت ہے،اس کے پیش نظر اس کے نبی کا فرمان لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین،(تم میں سے کوئی مومن کامل اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین،اس کی اولاد اور دنیا جہاں کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں) ہمہ وقت رہتا ہے۔عملی اعتبار سے مسلمان کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہولیکن جب براہ راست اس کے نبی کی توہین کی جائے اوراس کو باقاعدہ تمسخر اوراستہزاء کا

موضوع بنایا جائے تو یہ کسی بھی مسلمان سے کبھی بھی برداشت نہیں ہوسکتا۔

وطن عزیز ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں کو مٹا دینے کی کوشش کرنے والے فسادی، ہندوستان کو ہندوراشٹر یہ بنانے کا غیر قانونی نعرہ لگانے والے وطن دشمن افراد، شاید یہ نہیں جانتے کہ دنیا کا کوئی کمزورترین ایمان رکھنے والا مسلمان ہزار ہا فروگزاشتوں اور کوتاہیوں کے باوجود محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں سنگ باری کرنے اور اسوہ حسنہ پر کسی بھی قسم کی حرف زنی پر دہاڑ اٹھتا ہے، اسلام کے خلاف الزام ودشنام اسے کسی بھی صورت کسی بھی لمحہ برداشت نہیں ہے۔

حال میں پیش آنے والے اِس گستاخیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو دینی شرعی، فطری، قانونی اور جذباتی ردعمل ہونا چاہئے وہ سامنے آیا۔

دشمنان اسلام کو اس بات کی خبر نہیں ہے وہ جس ہستی کے خلاف غوغہ آرائی کرتے ہیں وہ تو محسن انسانیت ہے، تمام نبیوں کا سالار ہے، جس نے جہالت، ظلم، شقی القلبی اور حیوانیت کے ظلمات اور اندھیری کی آماجگاہ بنی ہوئی کائنات میں آفتاب جہاں تاب بن کر تاریخ کا سب سے بڑا دل آفریں انقلاب برپا کیا، انسانیت کے اذہان و قلوب کے تاریک گوشوں کو منور کیا، احترام آدمیت کا فلسفہ دیا، شرف انسانیت کو عالم آشکارا کیا۔

اس مذموم حرکت کا مقصد مسلمانوں کو ذہنی انتشار کا شکار بنانا ہے، اسلام دشمن عناصر کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایسے مسائل کھڑے کئے جائیں جن سے وہ مشتعل ہوں اور پھر اپنے اثاثی اور بنیادی مقاصد کو پس پشت ڈال دیں تاکہ یہ غیر مسلم عناصر اسلام دشمنی کے لیے اپنی راہیں اور ہموار کرسکیں۔

پورے ملک میں مسلمان احتجاج کررہے ہیں، شیدائیان رسالت اپنی اپنی محبتوں کا اظہار کررہے ہیں، تحفظ ناموس رسالت کی سعی محمود کررہے ہیں، ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، ایک جمہوری ملک کے باشندے ہونے کے ناطے حکومت سے ہمیں یہ اپیل کرنی ہے کہ ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کی دل آزاری ہوئی ہے، ایسی ہفوات وبکواس کرنے والے کو ایسی سخت سزادی جائے جس سے کسی کو کبھی بھی کسی مذہب، دین دھرم اور اس کے پیشواؤں کا تمسخر واستہزاء کرنے کی جرآت نہ ہوسکے۔

مسلمان ہر جگہ سراپا احتجاج بنے ہوئے ہیں، اور یہ ان کے دین اور رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم سے محبت و شیفتگی کا تقاضا بھی ہے، لیکن اشتعال میں آنے کے بجائے خاموشی اور سنجیدگی سے پرامن طریقے پر اپنے غم وغصہ کا

اظہار کرنا چاہئے، اور دینی اعمال میں پہلے سے بھی زیادہ رسوخ پیدا کرنا چاہئے تا کہ دشمنان اسلام اپنے منھ کی کھائیں۔

دیکھنے میں آرہا ہے کہ گذشتہ کچھ سالوں سے پوری دنیا میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کے سلسلے رکنے کے بجائے دراز ہوتے چلے جارہے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں بذات خود اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے، اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ ہم خود اور ہمارے بچے پیارے نبی کی سیرت سے کتنی واقفیت رکھتے ہیں؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، کیا یہ حادثہ نہیں ہے کہ پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ بنیادی معلومات بھی ہم میں سے اکثریت کے پاس نہیں ہے جسے آپ عام معلومات کہتے ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا مقصد، آپ کی شخصیت کے حقیقی خد وخال، آپ کے امتیازات اور آپ کی تعلیمات سے شعوری وابستگی کا معاملہ بہت دور کی بات ہوجاتی ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں خصوصاً اور پوری دنیا میں عموماً اس بات کو رواج دینا ایک مسلمان کی دینی وشرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک، آپ کے صحابہ کرام و ازواجِ مطہرات و بنات اطہار کے سوانحی حالات اور ان کی لائق تقلید واتباع زندگی کو اپنی زندگیوں میں لائیں اور دنیا کو یہ باور کرائیں کہ ہم اس نبی برحق کی تعلیمات کے پیرو اور متبع ہیں جس کا لایا ہوا پیغام پوری انسانیت کی صلاح وفلاح کا ضامن ہے، سیرت النبی کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچائیں، خود بھی عمل کریں، عمل کا ماحول پیدا کریں، پھر پوری انسانیت ان فطری تعلیمات کی گرویدہ ہوگی اور دشنام طرازی اور یاوہ گوئی کا یہ سلسلہ بند ہوتا چلا جائے گا، ان شاء اللہ۔

مظاہرے کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ سیرت کا اجتماعی مطالعہ کیا جاتا، سیرت پر متعدد محاضرات سماعت کئے جاتے، سیرت کی کسی کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جاتا، سیرت نبوی کے بعض گوشوں پر کچھ اجتماعی تحقیقات پیش کی جاتیں، اخباروں میں بعض صفحات خرید کر سیرت کے اہم گوشوں کو جدید اسلوب وتحقیق میں عام کیا جاتا، کیا یہ سچ نہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محبت کا بھرم کچھ رسوم کی ادائیگی کے ذریعہ قائم رکھنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ اتباع اور مطالعہ سیرت کے نام پر اپنے نفس کو مشقت میں ڈالیں۔

اگر واقعی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں تو آیئے نبی کی سیرت پر کم از کم کسی تحقیقی کتاب کا کم از کم مطالعہ کریں، اپنے بچوں کو سیرت رسول سے واقف کرانے کی کوشش کریں، پوری دنیا میں سیرت

کوعام کرنے کی کوشش کریں، معاشرہ کا ہر ہر فرد اپنی بساط اور اپنے اپنے دائرۂ اختیار میں رہ کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کرے، اگر دنیا سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرے گی تو اسے آپ کی ذات میں متعدد امتیازات نظر آئیں گے۔

ہم اپنی ذمہ داریوں سے بھاگنے کے بجائے حقائق کا سامنا کریں، دنیا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو عام کرنے میں مشغول ہو جائیں، دنیا کے بیشتر لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھنگ سے نہیں جانتے، انہیں نہیں معلوم کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تاریخ اور تحقیق کے اصولوں پر کھری اترتی ہے، انسانی زندگی کو جس نمونے کی بھی حاجت ہے برق رفتار بدلتے حالات کے باوجود نبی محترم کی حیات طیبہ میں وہ سارے نمونے کسی نہ کسی حوالے سے موجود ہیں، سیرت پیغمبر کی یہ جامعیت لوگوں میں بہتر انداز میں پہنچانے کی ضرورت ہے۔

آج کے نفرت زدہ ماحول میں ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان بذات خود سیرت کا مطالعہ کریں اور دنیا کے سامنے منظم انداز میں مطالعہ سیرت کی راہ ہموار کریں۔

بلاشبہ مسلمانوں کے تمام مسالک و مکاتب فکر متحد ہو کر معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے گوشوں کو دنیا کے سامنے لائیں، دنیا جب اس محسن انسانیت کی زندگی کے تمام گوشوں کا مطالعہ کرے گی، تو یقینا اس معلم انسانیت کی زندگی میں انسانی فطرت کے اصولوں کو محسوس کرے گی اور غیر اختیاری طور پر قریب سے قریب تر ہوتی جائے گی۔ اس لئے کہ ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

تیسری قسط

درسِ قرآن

تقدیر پر ایمان

مولانا محمد ساجد حسن

استاذ حدیث وتفسیر مظاہر علوم سہارنپور

نوٹ: تقدیر کے بارے میں گفتگو، بحث ومباحثہ سے منع کیا گیا ہے مگر نصوص میں جس قدر وارد ہے اس کے مذاکرہ کی اجازت ہے، اسی پس منظر میں اس مضمون کو پڑھا جانا چاہیے۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى، وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلّٰى، وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى، إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى، فَأَمَّا مَنْ أَعْطٰى وَاتَّقٰى، وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى، وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى، وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى، فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى، (سورۃ اللیل آیات ا تا ۱۰)

قسم ہے! رات کی جب چھا جائے اور قسم ہے! دن کی جب روشن ہو اور قسم ہے! اس ذات کی جس نے نر و مادہ کو پیدا کیا، یقینا تمہاری کوشش مختلف قسم کی ہے، تو جو شخص دیتا رہے اور ڈرتا رہے اور اچھی بات کی تصدیق کرتا رہے تو ہم اس کے لئے آسانی پیدا کردیں گے۔

لیکن جو بخل کرے اور بے پرواہی برتے اور اچھی بات کی تکذیب کرے تو ہم بھی اس کی تنگی ومشکل کے سامان میسر کردیں گے۔

ایک عمومی مغالطہ:

انسان عموما اس مغالطہ میں رہتا ہے کہ جب جنتی اور جہنمی ہونا مقدر ہے تو پھر ہم اعمال صالحہ کیوں کریں، جو ٹھکانہ مقرر ہے آدمی اس ٹھکانے پر خود بخود پہونچ جائے گا، تقدیر پر بھروسہ کرکے عمل کو ہی کیوں چھوڑ نہ دیں، کیونکہ ہمارا عمل اللہ کے فیصلہ کو تو بدل نہیں سکتا، پھر عمل کا کیا فائدہ؟

صحابہ کرام کو بھی اس طرح کا خیال آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال میں لگے رہو! جنتی، جہنمی ہونا تو مقدر ہے، مگر سبب ظاہری کے درجہ میں انجام کا مدار اعمال پر بھی ہوتا ہے، برے اعمال، بدبختی کی اور نیک اعمال سعادت کی علامات ہیں، اس لئے سعادت کی علامات (نیک اعمال) میں مشغول رہو،

تا کہ خاتمہ بھی سعادت والے اعمال پر ہو۔

بالفاظ دیگر تقدیر میں ایک کام اللہ کا ہے یعنی تقدیر لکھنا اور ایک کام بندہ کا ہے یعنی اللہ کے احکام پر عمل کرنا، تو اللہ نے اپنا کام کیا، بندہ کو نتائج سے قطع نظر اپنا کام کرنا چاہیئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا ٹھکانہ اللہ تعالی نے جنت اور دوزخ میں لکھ دیا ہے (یعنی یہ متعین ہو چکا ہے کہ کون لوگ جنتی ہیں اور کون جہنمی ہیں) صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتۂ تقدیر پر بھروسہ کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم عمل میں لگے رہو! اس لئے کہ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے اسے اس کے لئے آسان کردیا جاتا ہے، جو شخص نیک بختوں میں سے ہوتا ہے اس کے لئے نیک بختی کے اعمال آسان کردئے جاتے ہیں اور جو شخص بد بختوں میں سے ہوتا ہے اس کے لئے بدبختی کا عمل آسان کردیا جاتا ہے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) پھر جس نے اللہ کے راستے میں مال دیا اور تقوی اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم اس کے لئے آسان کردیں گے ایسی خصلت جو راحت ویسر (دخول جنت) کا ذریعہ بن جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا جُلُوسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عُودٌ يَنْكُتُ فِي الأَرْضِ، وَقَالَ: مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا قَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ أَوْ مِنَ الجَنَّةِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ القَوْمِ: أَلاَ نَتَّكِلُ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لاَ، اعْمَلُوا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ. ثُمَّ قَرَأَ: فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى، الآيَةَ، (صحیح البخاری رقم: ۶۶۰۵)۔

مسئلہ تقدیر میں عقل لڑانے کی ممانعت:

تقدیر کا مسئلہ بہت دقیق اور لاینحل مسئلہ ہے کوئی انسان اس کی گہرائی اور تہہ تک نہیں پہنچ سکتا، اس لئے سلامتی اس میں ہے کہ تقدیر کے سلسلہ میں احادیث میں جتنا بتادیا گیا ہے اس کو تسلیم کیا جائے اور اس بارے میں زیادہ کھود کرید کی کوشش نہ کی جائے، اگر اس مسئلہ کو محض عقل کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو سابقہ امم کی طرح یہ امت بھی گمراہ ہوجائے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم لوگ تقدیر کے بارے میں بحث کررہے تھے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے ہماری یہ حالت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غصہ آیا حتی کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا انار کا دانہ رخساروں پر نچوڑ دیا گیا اور فرمایا کہ کیا اسی کا تم کو حکم دیا گیا ہے؟ کیا اسی لئے میں بھیجا گیا ہوں؟ اور فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ تقدیر کے بارے میں بحث کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے لہٰذا میں تاکید کرتا ہوں کہ تم اس میں بحث نہ کرو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ، حَتَّى كَأَنَّمَا فُقِئَ فِي وَجْنَتَيْهِ الرُّمَّانُ، فَقَالَ: أَبِهَذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِهَذَا أُرْسِلْتُ إِلَيْكُمْ؟ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِينَ تَنَازَعُوا فِي هَذَا الأَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ أَلَّا تَتَنَازَعُوا فِيهِ۔ (سنن ترمذی رقم: ۲۱۳۳)

ہدایت پر ثابت قدمی کی ایک دعاء

خاتمہ کا اعتبار ہے، اعمال کا نہیں، کیونکہ لوگوں کے قلوب اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہیں، وہ جب چاہتا ہے ان کو ضلالت کی جانب پھیر سکتا ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء کثرت سے مانگا کرتے تھے، یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں اور آئندہ کے خطرات سے بھی محفوظ ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعا فرمانا امت کی تعلیم کے لئے تھا۔

صحابیؓ رسول حضرت انسؓ اس کو بخوبی جانتے تھے اس لئے حضرت انسؓ نے امت کے حوالہ سے دریافت کیا کہ: ہم آپ پر اور آپ کی شریعت پر ایمان لا چکے ہیں کیا آپ پر ایمان لانے کے بعد بھی ہماری گمراہی کا خوف ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! کیونکہ قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہیں وہ ان کو جس طرح چاہے پھیر دیتا ہے اس لئے ہمہ وقت یہ دعا کرتے رہنا چاہئے۔

عن أَنَسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ: يَا مُقَلِّبَ القُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟ قَالَ: نَعَمْ، إِنَّ القُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ۔ (سنن ترمذی رقم: ۲۱۴۰)

انوارِ حدیث

تیسری قسط

جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ حدیث مظاہر علوم سہارنپور

غزوۂ بدر اور انصار کا ایفاء عہد

انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحفاظت کا جو عہد و پیمان کیا تھا اسے بحسن وخوبی نباہا بھی، چنانچہ جب قریش کا قافلہ مال واسباب کے ساتھ ملک شام سے مکہ مکرمہ لوٹ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلے کو روکنے کے لئے صحابۂ کرام کو لے کر نکلے، اور مسلمان بدر کے راستے پر یہ سوچ کر نکل پڑے کہ قافلہ اسی راستے سے گذرے گا انہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ قافلے نے راستہ بدل لیا ہے اور ان کی حفاظت کے لیے قریش کا ایک بڑا لشکر بدر کی طرف آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر کے قریب پہنچ کر جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کیوں کہ مسلمان جنگ کے ارادے اور اس کی تیاری کے ساتھ نہیں آئے تھے، بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس خبر سے آگاہ کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اچھا جواب دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے انہوں نے بھی اچھا جواب دیا اور پھر مہاجرین ہی میں سے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ کے حکم کو بجا لائیے ہم آپ کے ساتھ ہیں، بخدا ہم آپ سے اس طرح نہیں کہیں گے جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا: **فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ** (المائدۃ ۲۴) تم اور تمہارا رب جاؤ اور تم دونوں لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب چل کر لڑیں ہم آپ کے ساتھ ساتھ لڑیں گے، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو برک الغماد تک لے کر جائیں گے تب بھی ہم آپ کے ساتھ ساتھ لڑتے ہوئے وہاں تک جائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: بہت خوب! اور ان کے لیے دعا فرمائی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ

انصار کچھ کہیں کیوں کہ لوگوں میں انہیں کی تعداد زیادہ تھی اور ان لوگوں نے عقبہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب تک آپ ہمارے علاقے میں نہیں پہنچ جاتے تب تک آپؐ ہماری ذمہ داری میں نہیں ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دیار میں پہنچ جائیں گے تب آپ ہماری ذمہ داری میں آجائیں گے، اس وقت ہم آپ کی حفاظت اس طرح کریں گے جس طرح اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کی کرتے ہیں، اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہورہا تھا کہ انصار کہیں یہ نہ سمجھیں کہ جب تک مدینہ میں آکر آپ کا کوئی دشمن آپ پر حملہ نہ کرے تب تک نصرت وحفاظت کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے اور کسی دشمن سے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ آپ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے تو اس پر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بخدا ایسا لگتا ہے کہ آپ ہماری بات سننا چاہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ جو پیغام آپ اللہ کی طرف سے لائے ہیں وہ حق ہے، اور ہم نے سمع وطاعت پر آپ کو اپنے عہد و پیمان دیے ہیں، لہٰذا اے اللہ کے رسول آپ جو چاہیں کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں لے کر اس سمندر میں چلیں پھر آپ اس میں کود پڑیں تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا، کل آپ ہمیں لیکر دشمن کا سامنا کریں اس میں ہمیں ذرا بھی ناگواری اور تردد نہیں ہے، ہم لڑائی کے وقت جم کر لڑنے والے اور مقابلہ کے وقت سچی قوت دکھانے والے ہیں، شاید اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے اس لڑائی میں آپ کو ایسی چیز دکھائے جس سے آپ کی آنکھ کو ٹھنڈک پہونچے، لہٰذا اللہ کا نام لے کر قدم آگے بڑھائیے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی سے سرشار ہوگئے اور آپؐ نے فرمایا کہ قدم آگے بڑھاؤ تمہارے لیے بشارت ہے، بے شک اللہ نے مجھ سے دو گروہوں (قافلہ اور لشکر) میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے بخدا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنی کھلی نگاہوں سے قوم (کفار) کے قتل ہونے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔

چنانچہ لڑائی ہوئی اور اللہ نے مسلمانوں کو تاریخی فتح عطا فرمائی اس لڑائی میں صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔ (سیرۃ ابن ہشام ۲ ۴۴۲—۴۵۰)

لائحۂ عمل

حق آزادی اور اس کی حدیں

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تین طرح کی مخلوقات پیدا کی ہیں، جمادات، نباتات اور حیوانات، جمادات سے مراد ایسی چیزیں ہیں، جن میں نمو اور حرکت کی صلاحیت نہیں ہوتی، جیسے پتھر، زمین، لوہا۔
نباتات سے مراد پودے ہیں جن میں بڑھوتری اور افزائش تو ہوتی ہے، لیکن وہ نقل و حرکت کی صلاحیت سے محروم اور بظاہر احساس و شعور سے عاری ہیں۔

حیوانات سے مراد جان دار مخلوق ہیں، جن میں شعور و احساس ہے، کسی میں کم اور کسی میں زیادہ اِدارک کی صلاحیت اور نقل و حرکت کی قوت ہے، جمادات اور نباتات دراصل اسی تیسری مخلوق کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، پتھر جہاں نصب کر دیے جائیں، نصب رہتے ہیں، لوہے کو آپ جس سانچے میں چاہیں ڈھال لیں، لکڑی کو آپ جس مقصد کے لیے چاہیں استعمال کریں، درخت آپ جہاں چاہیں لگا دیں، انہیں کوئی انکار نہیں اور نہ ان کی طرف سے کوئی احتجاج سامنے آئے گا، گویا یہ جان دار مخلوقات کے لیے قدرت ہی کی طرف سے خادم اور اپنی اعلیٰ تر مخلوق کے غلام ہیں، اس غلامی پر انہیں کوئی اعتراض نہیں۔

لیکن جو جان دار مخلوقات ہیں، ان کا معاملہ ان سے مختلف ہے، شیر اور ہاتھی سے لے کر چیونٹی اور مکھی تک اگر آپ کسی کو بھی اپنی قید میں لانا چاہیں تو وہ ضرور احتجاج کریں گے، انکار کا رویہ اختیار کریں گے، اپنی طاقت و صلاحیت کے مطابق وار کرنے یا راہ فرار اختیار کرنے سے نہیں چوکیں گے اور کسی طور آپ کی گرفت میں آنا پسند نہیں کریں گے، گویا فطری طور پر ان کو غلامی سے انکار ہے اور یہ آزادی کے طلب گار ہیں، جان دار مخلوقات میں سب سے عظیم ترین مخلوق انسان ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور اور فہم و ادراک کی ایسی صلاحیت ودیعت کی ہے کہ کسی اور جان دار مخلوق کو شاید اس کا سوواں حصہ بھی حاصل نہ ہو،

اس لیے انسان میں آزاد رہنے کا جذبہ زیادہ ہے اور اس کی فطرت غلامی سے اباء کرتی ہے، انسان کے نومولود شیر خوار بچہ کو بھی اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف کوئی بات پیش آجائے، تو اس کی طرف سے ضرور ہی احتجاج اور ردعمل کا اظہار ہوتا ہے، وہ روتا ہے اور بے تحاشہ آنسو بہا کر اپنی ناگواری کا اظہار کرتا ہے، یہ اسی صدائے آزادی کی بازگشت ہے، جو انسانی فطرت میں رکھی گئی ہے، جس کی وجہ سے انسان پتھر اور لکڑی کی طرح ہر عمل پر خاموش اور ردعمل سے عاری نہیں رہ سکتا اور مزاج و مذاق کے خلاف پیش آنے والی بات پر ناگواری کے اظہار کے لیے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے اور یہ اس کے بے چین دل کے لیے کسی قدر سکون وطمانیت کا باعث بنتا ہے۔

اسلام دینِ فطرت ہے اور وہ سلیم فطرت کے تقاضوں کو پورا کرنے آیا ہے، نہ کہ اس کو دبانے اور اس کا گلا گھونٹنے، اسلام کا پورا نظامِ حیات اسی بنیادی تصور پر مبنی ہے، اس میں کہیں قانونِ فطرت سے تصادم اور ٹکراؤ نہیں، اس نے انسان کے آزاد رہنے کے اس فطری حق کو تسلیم کیا ہے، اس کی بہترین ترجمانی ان کلمات سے ہوتی ہے جو عالمِ اسلام کے سفیر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رستمِ ایران کے دربار میں کہے تھے اور ان پر اپنا مقصد و منشا واضح کیا تھا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کے بندوں کو انسان کی بندگی اور غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کریں: **اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ**" (البدایۃ والنہایۃ ۷/ ۳۹)

انسان کے اسی فطری حق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک گورنر کو فرمایا کہ ان کو ان کی ماؤں نے تو آزاد جنا تھا، تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا ہے؟! یہ آزادی کے اسی فطری حق کا اعلان واظہار ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا ایک حصہ ہے، اس لیے آزادی ایک انسانی اور اسلامی حق ہے۔

آزادی کے تصوّر کو طاقت پہنچانے کی غرض سے اسلام نے سب سے پہلے انسانی مساوات کا تصور دیا کہ تمام انسان ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، محض رنگ ونسل، خاندان ونسب اور علاقہ ووطن کی بنیاد پر ان میں ایک دوسرے سے بڑا نہیں، بہتری اور کمتری انسان کے عمل اور کردار سے متعلق ہے: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳)

یہ وہ بنیادی تصور ہے جس کے بعد ایک انسان کا پیدائشی طور پر حکمراں اور دوسروں کا محکوم ہونا غلط قرار

پاتا ہے، اسلام سے پہلے قریب قریب پوری دنیا میں بادشاہتیں قائم تھیں، روم، ایران، حبش، یمن، ہندوستان، غرض اس وقت کی معلوم دنیا میں ہر جگہ شاہانہ طرزِ حکومت مروج تھا اور مخصوص خاندانوں کو حکومت کا اہل سمجھا جاتا تھا، اس کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ اس آمرانہ طرزِ حکومت کو مذہبی رنگ دے دیا گیا تھا، ایران میں لوگ شاہی خاندان کو خدا کا کنبہ تصور کرتے تھے، مغرب میں رفتہ رفتہ کلیسا نے انسان کو اپنا مکمل غلام بنالیا تھا، وہ نہ صرف اپنے آپ کو لوگوں کی آخرت کا ٹھیکیدار تصور کرتے تھے، بلکہ دنیا میں بھی اپنے فیصلہ کو خدائی فیصلہ باور کرتے تھے اور یہی عقیدہ لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دیا گیا تھا، ایک طرف وہ مغفرت نامے تقسیم کرتے اور لوگوں کے لیے جنت کی رجسٹری کرتے اور دوسری طرف مملکت کے نظام کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھ کر، نہایت جابرانہ طرزِ عمل اختیار کرتے اور جوان کی رائے سے سر مُو انحراف کرتا ان کو لرزا دینے والے عقوبت خانوں میں تختۂ مشق بنایا جاتا اور زندہ جلا دینے کی سزا دی جاتی، بالآخر ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس پر یہ ظالمانہ کلیسائی نظام یورپ سے ختم ہوا، گویا ایک آمریت تھی جو مذہب اور خدا کے نام پر روا رکھی گئی تھی، اس لیے یورپ میں جو انقلابی تحریکیں اٹھیں ان کا خمیر مذہب کی مخالفت اور عناد سے تیار ہوا۔

اسلام نے اس طرح کی خاندانی بادشاہت کو سند جواز عطا نہیں کیا اور ایک ایسے آزاد طرزِ حکومت کا تصور پیش کیا، جس میں رنگ و نسل کے بجائے صلاحیت اور کردار کی بنیاد پر فرماں رواں کا انتخاب عمل میں آئے اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ حکم راں کوئی مافوق العادت حیثیت کا حامل نہیں ہوتا، بلکہ وہ بھی عام لوگوں ہی میں ایک شخص ہوتا ہے، اس کے فیصلے غلط بھی ہوسکتے ہیں، اس کی ذات تنقید سے بالاتر نہیں ہوتی اور عوام کو اس کے احتساب کا پورا حق حاصل ہوتا ہے، یہ بات کہ حق حکم رانی ''اتفاق'' سے متعلق نہیں کہ کوئی شخص کسی خاندان میں پیدا ہو جائے تو وہ حکم رانی کا حق دار ہے، بلکہ یہ حق انسان کے کردار اور اکتساب سے متعلق ہے، یہ ایک انقلابی فکر ہے، جس سے آزادی کا تصور ابھرتا ہے اور غلامی کی نفی ہوتی ہے۔

پھر اسلام نے تفصیل کے ساتھ مختلف شعبہائے زندگی سے متعلق انسان کے بنیادی حقوق کو متعین کیا، قرآن نے کہا کہ ہر شخص کو جینے کا حق ہے اور کسی بھی نفس انسانی کو زندہ قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو قاتل سے بدلہ لینے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔(الاسراء ۳۳) گویا انسان اپنی زندگی کے لیے کسی کے رحم و کرم کا محتاج نہیں، ہر شخص کو اپنے مال پر ملکیت کا حق ہے، دوسروں کو حق نہیں کہ وہ ناروا طریقہ پر اس کی

رضامندی کے بغیر اس کے مال پر قابض ہو جائے۔ (نساء ۲۹) پھر کسب معاش کے لیے ہر شخص آزاد ہے کہ وہ جس پیشہ کو چاہے اختیار کرے، اس کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ اگر اس کے خاندان میں پہلے سے کوئی ایسا پیشہ آرہا ہو جسے لوگ کم تر سمجھتے ہوں، تو وہ وہی پیشہ اختیار کرے۔ ہاں، اگر کوئی شخص کسی کام کا اہل نہیں، جیسے اس نے میڈیکل تعلیم حاصل نہ کی ہو اور لوگوں کا علاج کرنے لگے تو عام لوگوں کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے اس سے روکا جا سکتا ہے، خود حدیث نبوی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

عزت و آبرو کا تحفظ ایک بنیادی حق ہے اور کسی قوم کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ دوسری قوم کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کرے: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ (الحجرات ۱۱)

عدل وانصاف کے معیارات بھی یکساں رکھے ہیں، اس میں حکمران و محکوم اور سماج کے باوجاہت اور معمولی لوگوں کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا، یہاں تک کہ اگر مسلمانوں کی کسی قوم سے عداوت ہو تب بھی حکم دیا گیا کہ پیمانۂ انصاف میں کوئی فرق نہ ہونے پائے: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا (مائدہ ۸) ہر شخص کو رائے اور ضمیر کی آزادی عطا کی گئی اور وہ جس چیز کو غلط سمجھے اس کے اظہار کی اجازت دی گئی، جسے قرآن کی زبان میں نہی عن المنکر کہا جاتا ہے۔ (آل عمران ۱۰) ملک کے ہر شہری کو احتجاج اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق دیا گیا ہے: لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ (نساء ۱۴۸)

اسلام ملک کے تمام شہریوں کو مذہبی آزادی عطا کرتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر واعتقاد کے مطابق خود زندگی گزارے: لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرۃ ۲۵۶) سزا کے نظام میں بھی مساوات و برابری اور ہر بالغ و مکلف کے لیے یکساں سزا رکھی گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی ایک معزز خاتون کا ہاتھ چوری کے جرم میں کٹوایا اور اس سلسلہ میں اپنے قریب ترین لوگوں کی سفارش کو رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کی مرتکب ہوتی تو اسے بھی یہی سزا دی گئی ہوتی، اسلام نے ایک ایسے نظام مملکت کا تصور دیا جو شورائیت پر مبنی ہو: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوری ۳۸)

غرض اسلام ایک ایسے سیاسی نظام کا نقیب و ترجمان ہے جو غلامی کے بجائے آزادی پر مبنی ہو، جو انسانی تفریق کے بجائے مساوات پر قائم ہو، جس میں رنگ ونسل کے بجائے اخلاق و کردار کو تولا جاتا ہو، جس میں انصاف کا ایک ہی پیمانہ ہو، جس میں اصحاب اقتدار کے احتساب کی اسی قدر گنجائش ہو، جتنی ایک

ادنیٰ رعایا کی اور جو انسانی کرامت وشرافت کے بنیادی تصور پر استوار ہو۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ آزادی کے لیے بھی کچھ حدود وقیود ضروری ہیں، سڑک پر ہر شخص کو چلنے کا حق ہے، لیکن اگر لوگ یہ سمجھیں کہ یہ آزادی ان کو ٹریفک کے قواعد سے بھی آزاد کرتی ہے تو یقیناً یہ آزادی پروانۂ ہلاکت بن جائے گی، اس لیے آزادی کے بھی دائرے ہیں اور یہ دائرہ اخلاقی اقدار کا ہے، آزادی ایسی نہ ہو کہ جس سے اخلاق کے بندھن ٹوٹ جائیں، جو شرم وحیا کے الفاظ کو انسانی ڈکشنری سے مٹا کر رکھ دے، جو انسان کو ظلم واستبداد کے لیے آزاد کر دے، جو فطرت انسانی کی تسلیم شدہ حقیقتوں پر بھی خط نسخ پھیر دے، یہ آزادی رحمت نہیں، بلکہ زحمت ہے اور سامان عافیت نہیں، بلکہ ابتلا ومصیبت ہے، افسوس کہ مغرب میں کلیسائی نظام کے خلاف جو بغاوت ہوئی، اس نے مذہب بےزاری کی ایسی برقی رو دوڑا دی کہ جس نے فکر ونظر کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیے اور لوگوں نے سمجھا کہ آزادی یہ ہے کہ انسان مادر وپدر سے آزاد ہو جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم اخلاقی قدروں کو بھی غلامی کی علامت سمجھ لیا گیا، مخرب اخلاق اسباب کو بھی آزادی کا پروانہ دے دیا گیا اور انسان کے لیے یہ بات مشکل ہو گئی کہ وہ اپنے پیکر آزادی پر اخلاق وشرافت کی قید وبند کا کوئی تار لباس باقی رہنے دے۔

اسلام ایسی بے قید آزادی کا قائل نہیں، اسی لیے اس نے انتظام وتدبیر انسان کے ہاتھ میں رکھا اور قانون کی لگام خدا کے ہاتھ میں دی: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ (یوسف ۴۰)

کیوں کہ انسان کے خالق سے بڑھ کر انسان کی آزادی کے حدود اور اس کی بھلائی کے لیے مطلوب پابندیوں اور قیود کو کوئی اور ذات نہیں سمجھ سکتی، یہ آزادی کا ایک متوازن، معتدل تصور ہے، جس میں نہ صرف آخرت کی فلاح ہے، بلکہ دنیا کی بھی بھلائی ہے کہ خدا کی غلامی ہی اصل میں انسان کی آزادی ہے، جو شخص خدا کا غلام بننے کو تیار نہ ہو تو اسے ضرور مخلوق کا غلام بننا پڑے گا، اگر وہ دوسروں کا غلام نہ بنے، تو کم سے کم خود اپنے نفس کی غلامی اسے قبول کرنی ہوگی، اسی کو مرد حق آگاہ شاعر اسلام علامہ اقبال نے کہا ہے کہ #

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اردو ادب

زبان اُردو کی تاریخ اور اس کی حفاظت

مولانا مفتی روح الحق رشادیؔ قاسمی

مہتمم جامعہ انوار العلوم ترچی تامل ناڈو، رکن شوریٰ مظاہر علوم سہارنپور

اُردو ہے جس کا نام ہم ہی جانتے ہیں داغؔ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

شہد و شکر سے شیریں اُردو زبان ہماری		ہوتی ہے جس کی بولی میٹھی زباں ہماری

کیونکہ اردو زبان فصاحت سے بھری ہے جیسا کہ شاعر نے کہا:

سینکڑوں اور بھی دنیا میں زبانیں ہیں مگر
جس پہ مرتی ہے فصاحت وہ زباں ہے اُردو

مختلف بولیوں کی کشش اُردو زبان میں ہے۔

ایک ہی پھول سے سب پھولوں کی خوشبو آئے
اور یہ جادو اسے آئے جسے اُردو آئے

اُردو زبان کے تعارف اور تاریخی حقائق سے پہلے ہم زبان سے متعلق معلوم کرلیں کہ زبان کیا ہے۔

زبان:—اظہارِ خیال کے ذریعہ کو زبان کہا جاتا ہے۔

زبان کی ۳؍قسمیں ہیں: تحریری، تقریری، اشاراتی

- تحریری:— اپنے خیالات کا اظہار جو کاغذ یا کاپی میں تحریر کریں۔
- تقریری:— اپنے خیالات کا اظہار بول کر کریں۔
- ارشارتی:— اپنے خیالات کا اظہار اشاروں سے کریں۔

اردو زبان تحریری بھی ہے تقریری بھی ہے اُردو کے حروفِ تہجی میں عربی فارسی اور ہندی کے حروف

ہیں اور اُردو رسم الخط نستعلیق ہے یہ دراصل خطِ نسخ اور خطِ تعلیق سے مرکب ہے لہٰذا نستعلیق کہا جاتا ہے۔

اُردو کے وجود اور ظہور کے سلسلہ میں دو نظریہ ہے، بحیرۂ اسود کے بادشاہ بلگے خاقان نے اپنے بھائی گل تگین کے نام سے ایک لاٹھ عمارت تعمیر کی، یہ عمارت ۱۳ صدیوں پہلے منگولیا میں ۷۳۲ عیسوی میں تعمیر کی گئی اس میں اُردو کا لفظ ۲۰ مرتبہ آیا ہے اس طرح یہ زبان ہزار سال پہلے کی ہے۔

دوسرا نظریہ: اُردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے معنیٰ لشکر کے ہیں، یہی معروف ومتداول ہے، مغل بادشاہوں کی چھاونی میں بولی جاتی تھی بعد میں زبان پھیلتی گئی، بڑھتی گئی، ۱۸۸۹ سے جموں کشمیر کی سرکاری زبان ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آریائی خاندان کے اختلاط سے اُردو زبان وجود میں آئی، اُردو زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں، بعضوں نے کہا اس کا نام اُردو اورنگزیبؒ کے زمانہ میں پڑا۔

اُردو زبان سے دلچسپی کیوں ضروری

ہم یوں ہی اس زبان سے محبت نہیں کرتے بلکہ اُردو زبان سے بہت کچھ علمی فوائد، قومی روابط اور دماغی قوت حاصل ہوتی ہے جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔ اردو زبان سب سے زیادہ بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے ایک تحقیق کے مطابق اُردو دنیا کی چوتھی بڑی زبان ہے، دس بڑی زبانوں میں سے انگریزی، چین، اسپائینی کے بعد چوتھی زبان اُردو ہے، ۶۰ ملین لوگ دنیا کے ۲۶ ممالک میں بولتے ہیں، ایک تحقیق کے مطابق اُردو بولنے والوں کی تعداد ۶ کروڑ سے ۷ کروڑ تک ہے، ۵ کروڑ بھارت میں، ایک کروڑ ۳۰ لاکھ پاکستان میں، باقی تعداد بنگلہ دیش میں، اس کے علاوہ اسلامی ممالک اور انگلینڈ، امریکہ، یورپ وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔

۲۔ اُردو میں شائع ہونے والے چار ہزار اخبارات ورسائل، ۷۰ ریڈیو اسٹیشن ۷۴ ٹی وی چینل سے عمومی معلومات، خصوصی تحقیقات حاصل کرسکتے ہیں، ہاں یہ بات بالکل صحیح ہے۔

کون ومکاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

۳۔ اُردو، عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے، ۶ زبانوں سے اُردو، عربی، فارسی رسم الخط مماثل ہے، لہٰذا ان زبانوں سے بھی انسیت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ چونکہ اُردو نے عربی، فارسی، پنجابی، ترکی اور سنسکرت جیسی زبانوں سے بہت

سارے الفاظ لے کر اپنے دامن کو وسیع کیا ہے اس لئے اس کا دامن وسیع ہے۔

عربی سے ۷۸۸۴، فارسی سے ۶۰۴۱، ترکی سے ۱۰۵، عربی سے ۱۱ ہزار، سریانی سے ۴ ہزار، انگریزی سے ۵۰۰، دیگر یورپی زبانوں سے ۱۵۲، اس کے ذخیرۂ الفاظ میں شامل ہیں، اُردو کے اس طرح ۳لاکھ سے زیادہ الفاظ میں اس قدر کثیر الفاظ غالباً انگریزی کے علاوہ کسی اور زبان میں نہیں، اُردو داں حضرات کو مذکورہ زبانوں سے ایک گونہ تعلق رہتا ہے، فیروز اللغات کا جدید ایڈیشن دیکھئے، ایک لاکھ پچیس ہزار الفاظ کے معنی درج ہیں اور تقریباً ۱۶ زبانوں کے الفاظ اس اُردو لغات میں مندرج ہیں۔

۵— سائنس دانوں کی ایک تحقیق کے مطابق انسان کے دماغ کا اگلا حصہ اُردو پڑھنے سے متحرک ہو جاتا ہے جس سے قوتِ فیصلہ میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس کی وجہ زبان کا صوتی نظام ہے۔

۶— اُردو پڑھنے لکھنے کے لئے خاص صلاحیت کی ضرورت ہے ان الفاظ کے لکھنے پڑھنے سے دماغی کسرت ہو جاتی ہے اور ذہن بیدار رہتا ہے

۷— اُردو مہذب انسان کو مزید مہذب اور شائستہ بناتی ہے اسی لئے روشن صدیقی نے کہا:

اُردو جسے کہتے ہیں تہذیب کا چشمہ ہے
وہ شخص مہذب ہے جس کو یہ زباں آئے

منیش شکلہ نے کہا:

بات کرنے کا حسیں طور و طریقہ سیکھا
ہم نے اُردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

ایک اور شاعر نے کہا:

وہ اُردو کا مسافر ہے یہی پہچان ہے اس کی
جدھر سے بھی گذرتا ہے سلیقہ چھوڑ جاتا ہے

اشوک ساحل نے یہاں تک کہا:

اُردو کے چند لفظ ہیں جب سے زبان پر
تہذیب مہرباں ہے مرے خاندان پر

فرحت احسان نے کہا:

شستہ زبان شگفتہ بیان ہونٹ گلفشاں
ساری ہیں تجھ میں خوبیاں اُردو زبان کی

تو اہل زبان علی الاعلان کہہ سکتے ہیں

ہم ہیں تہذیب کے علمبر دار
ہم کو اُردو زبان آتی ہے

اُردو کی لطافت اور نزاکت

اس فن کی لطافت کو لے جاؤں کہاں آخر
پتھر کا زمانہ ہے شیشے کی جوانی ہے

اُردو کی لطافت و کشش سے آج خود اہلِ زباں دور ہوتے جا رہے ہیں، زبان کی طبعی حسن اتنا تھا کہ بعض تعلیم یافتہ لوگ اس کو حاصل کرنے کے کو فخر سمجھتے تھے اس کی ساخت اتنی پر کشش تھی کہ لوگوں پر اس کا اثر ہوتا تھا اور اس زبان میں بات کرنے والوں کو ایک زمانہ میں لوگ تعلیم یافتہ سمجھتے تھے۔

اس میں آداب و تمیز خوب ہے مثلاً آپ انگریزی میں کسی کو بلائیں بڑا ہو تو come here چھوٹا ہو come here استاد ہو کم ہیر نوا سا ہو کم ہیر لیکن اُردو میں فرق مراتب کا لحاظ ہے، چھوٹا ہے تو ابے اِدھر آ، ذرا ادب کے ساتھ کہیں گے ''آؤ'' اور عزت دینی ہے تو کہیں گے آئیں، مزید عزت دینی ہو تو آیئے، عزت کے ساتھ اس میں محبت کا اظہار کرنا ہو تو آیئے نا، ذرا کھایئے نا، آقا رخ دکھایئے نا، بعض نزاع اور غیض و غضب میں بھی اُردو زبان انسان کو مہذب رکھتی ہے یعنی صحیح اُردو بولنے والا شخص تہذیب سے باہر نہیں ہوتا۔

ایک خاندان میں نزاع تھا، تقسیم میراث میں، مسئلہ کے حل کے لئے معروف مفتی صاحب کو بھی گھر بلا لیا گیا، اب مفتی صاحب کو دیکھ کر بیوی طیش میں آ گئی، بیگم صاحبہ درمیان میں بولنے لگی، میاں صاحب کو غصہ آ گیا، غصے میں ان کے ڈانٹنے کا اندازہ یہ تھا ''ہم آپ سے کہہ رہے ہیں آپ خاموش ہو جایئے'' پھر وہ بول پڑی تو میاں نے کہا ''مفتی صاحب بیٹھے ہیں ہم آپ سے کہہ رہے ہیں اب آپ تھوڑی دیر کیلئے خاموش ہو جائیں'' بڑا شاندار اسٹائل تھا، اگر بد تہذیب ہو تو پتہ نہیں کیا کیا موٹے اور گرے الفاظ استعمال کرتیں۔

اُردو ہماری تہذیب ہے، اس کی حفاظت ضروری ہے، اُردو کا تعلق اسلام سے بہت گہرا ہے، عربی کے بعد عالمی سطح پر دوسرا نمبر اُردو کا ہے جو اسلام سے قریب تر ہے، ایک زمانہ میں فارسی اسلام سے قریب تھی، مولانا ابوالحسن علی میاں رحمۃ اللہ علیہ جب بنگلہ دیش تشریف لے گئے تو بنگلہ والوں سے کہا تھا کہ اُردو سے اپنا تعلق قائم رکھو، ختم مت کرو، ورنہ تمہارا کلچر آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا۔

اُردو کی لطافت ونزاکت اور تصویر فنی پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں اخیر میں اتنا عرض ہے:

اُردو ہے جس کا نام ہماری زبان ہے
دنیا کی ہر زبان سے پیاری زبان ہے

فروغِ اُردو

اُردو زبان کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے میں بڑا ہاتھ ادیبوں اور شاعروں کا رہا ہے، گزشتہ دو سو، تین سو سال سے اربابِ سخن نے خوب حصہ لیا، دلّی زبان کا گہوارہ رہا، دلّی سے ہی اٹھی، لکھنؤ میں اُردو کی حفاظت ہوئی، اب مرکز دلّی کے بجائے لکھنؤ ہو گیا، لکھنؤ میں عیش پرستی شروع ہوئی تو زبان میں بھی رنگینی آئی۔

دلّی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے زمانے میں ''ذوق''، ''غالبؔ''، ''مومنؔ'' جیسے باکمال شاعر گذرے، ذوق نے قصیدہ گوئی کو معراج کمال تک پہنچایا، غالب کے بعد اُردو شاعری نے کروٹ لی اور ''حالیؔ'' اور ''محمد حسین آزادؔ'' جیسی بزرگ ہستیوں نے جنم لیا، اکبر کے انتقال کے بعد علامہ اقبالؔ شاعرِ مشرق تشریف لائے، انہوں نے ایک عجیب انقلاب پیدا کیا اور قوم وملت کے سامنے ٹھوس پروگرام پیش کیا، اُردو کے نشو ونما اور اساتذۂ سخن کے فروغ دینے کو ''اقبالؔ اشہر'' نے ایک نظم میں بہترین تصویر کشی کی ہے۔

اُردو ہے میرا نام میں خسروؔ کی پہیلی
میں میرؔ کی ہمراز ہوں غالبؔ کی سہیلی

دکن کے ولیؔ نے مجھے گودی میں کھلایا
سوداؔ کے قصیدوں نے میرا حسن بڑھایا
ہے میرؔ کی عظمت کہ مجھے چلنا سکھایا
میں داغؔ کے آنگن میں کھِلی بن کے چمیلی

اُردو ہے میرا نام میں خسروؔ کی پہیلی
میں میرؔ کی ہمراز ہوں غالبؔ کی سہیلی

غالبؔ نے بلندی کا سفر مجھ کو سکھایا حالیؔ نے مروّت کا سبق یاد دلایا
اقبالؔ نے آئینۂ حق مجھ کو دکھایا مومنؔ نے سجائی میرے خوابوں کی حویلی

اُردو ہے میرا نام میں خسروؔ کی پہیلی
میں میرؔ کی ہمراز ہوں غالبؔ کی سہیلی

ہے ذوقؔ کی عظمت نے دیئے مجھ کو سہارے چکبستؔ کی الفت نے میرے خواب سنوارے
حالیؔ نے سجائے میرے پلکوں پہ ستارے اکبرؔ نے رچائی میری بے رنگ ہتھیلی

اُردو ہے میرا نام میں خسروؔ کی پہیلی
میں میرؔ کی ہمراز ہوں غالبؔ کی سہیلی

کیوں مجھ کو بناتے ہو تعصب کا نشانہ میں نے کبھی خود کو مسلمان نہیں مانا
دیکھا تھا کبھی میں نے بھی خوشیوں کا زمانہ اپنے ہی وطن میں ہوں مگر آج اکیلی

اُردو ہے میرا نام میں خسروؔ کی پہیلی
میں میرؔ کی ہمراز ہوں غالبؔ کی سہیلی

زوالِ زبان اُردو

اس گھر کو آگ لگی گھر کے چراغ سے

اور تو اور اُردو داں طبقہ جو متناسلاً اُردو بولتے تھے، لکھتے تھے جن کی کئی پشت اُردو کے نشان و آثار تھے، خود وہ خاندان اور قبیلے اُردو سے دور ہونے لگے اُردو تحریر سے عاجز ہوتے چلے گئے۔

دنیا کی ہر قوم نے اپنی زبان میں ترقی کی، چین تک نے اپنی زبان کو فروغ دیا، چین میں کہیں غیر زبان میں بورڈ نہیں ملے گا لیکن ہماری اُردو برادری نے اُردو کا گھلا گھونٹنا شروع کیا۔

اسکول میں، انگریزی کالج میں، انگریزی یونیورسٹی میں، انگریزی میں سالِ نو کا پیغام، انگریزی میں عید و تقریبات کا پیغام، اردو سے ہٹ کر انگریزی بولنے میں فخر!

امّی جان، ابا جان، کی جگہ ممی، ڈیڈی، پھوپی جان، ماموں جان، خالہ جان، جس میں پیار و محبت بھی اور رشتہ کی شناخت بھی تھی اب بے احترامی کا لفظ سب آنٹی، اَنکل میں مبدل ہو گئے، اس طرح بے شمار الفاظ

اور اُردو اصطلاحات کو انگریزی میں تبدیل کردیا گیا، کسی سے انگریزی میں بات کریں تو سامنے والا سینہ چوڑا کرے گا، اُردو میں بولیں، گردن جھکا لے گا، سب سے بڑھ کر ستم جو ہے وہ رومن اُردو ہے مثلاً SMS یا سوشل میڈیا کی خبروں میں آپ کہاں تھے کو Aap Kahan The لکھنا۔ اس نے تو اور غضب ڈھایا اور نئی نسل کو بالکل اُردو سے دور رکھا، کسی نے صحیح کہا، ہم نے انگریزوں سے آزادی تو حاصل کرلی لیکن ان کی زبان کے محبوس ہوگئے، اب گویا انگریزوں نے آزادی حاصل کرلی۔

اب خاندان کے بزرگ لوگ اس طرح رونا روتے ہیں

میرے بچوں میں ساری عادتیں موجود ہیں میری
تو پھر ان بدنصیبوں کو نہ کیوں اُردو زبان آئی

حرفِ اخیر

زیادہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

ابھی تہذیب کا نوحہ نہ لکھنا
ابھی کچھ لوگ اُردو بولتے ہیں

کچھ حضرات اربابِ علم وذوق کے علاوہ اُردو سے ایک گونا تعلق والے اور دلچسپی والے معاشرہ میں ہنوز باقی ہیں۔

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اُردو بول سکتے ہیں

عمومی طور پر اُردو زبان کی حفاظت کے لئے چند امور کا اہتمام جبراً کریں۔

۱—تحریر میں بھی اُردو کی عادت ڈالیں خاص طور پر نوجوانوں میں، جب تک تحریرِ اردو سے وابستہ نہ ہونگے بقول علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اپنے کلچر کو کھو بیٹھیں گے۔

۲—اُردو جرائد ورسائل کا اہتمام، اسکول ومدارس میں رکھیں اور مطالعہ کی ترغیب دیں۔

۳—دینی مدارس سے شائع ہونے والے جرائد اور ماہناموں میں اربابِ قلم کے سلجھے ہوئے مضامین ہوتے ہیں، خصوصاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور ندوۃ العلماء لکھنؤ اور سینکڑوں معتبر

مدارس کے رسائل قابل مطالعہ ہیں اس کے علاوہ علمی ذخائر سے مستفید ہوتے رہیں گے، عوام میں دینی شعور اور بیداری اور طلبہ و نوخیز علماء میں علمی تحقیق و بصیرت کا باعث رہے گا۔

۴— اُردو میں پروگرام نوجوانوں میں ماہانہ دوماہی سہ ماہی کرتے کراتے رہیں۔

۵— صالح مشاعروں میں شرکت کریں نعتیہ مشاعرہ کا انعقاد کریں۔

۶— نوخیزوں میں، نوجوانوں میں اُردو مضامین و نظم میں مسابقات کا نظم کریں۔

۷— اکابر علماء و دانشوروں کی کتابوں کا مطالعہ کم از کم درجے میں ضرور کریں اور اسکی فضاء قائم کریں۔

۸— اُردو نیوز چینل میں صالح پروگرام سنیں، گندی چیزوں سے پرہیز کریں۔

۹— فروغ اُردو کی جو بھی کوشش طلبۂ کرام اور اربابِ سخن کرتے ہیں اس میں ضرور تعاون کریں۔

۱۰— مدارس کے طلبہ ترجمہ تفسیر حدیث اور فقہ کے مباحث کو اپنے اساتذہ سے دوران درس سن کر براہ راست ضبط کریں تو انشاء اللہ العزیز بہتر زبان کا ملکہ غیر شعوری طور پر پیدا ہوتا جائے گا۔

نماز کی ادائیگی میں کوتاہی

نماز نہ پڑھنے والوں کو جہنم کی انتہائی گہری اور شدید گرم وادی ''غی'' میں ڈالا جائے گا؟ جہاں خون اور پیپ بہتا ہے۔

تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم نہ نمازی تھے، نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ (سورۃ المدثر)

اہل جنت، جنت کے بالاخانوں میں بیٹھے جہنمیوں سے سوال کریں گے کہ کس وجہ سے تمہیں جہنم میں ڈالا گیا؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم دنیا میں نہ نماز پڑھتے تھے اور نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غور فرمائیں کہ جہنمی لوگوں نے جہنم میں ڈالے جانے کی سب سے پہلی وجہ نماز نہ پڑھنا بتایا، کیوں کہ نماز ایمان کے بعد اسلام کا اہم اور بنیادی رکن ہے، جو ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔

علمی تحقیق

پہلی قسط

سنتِ نبویہ کا تشریعی مقام

اور

حضراتِ حنفیہ کا استدلالی منہج

مولانا محمد معاویہ سعدی

استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

تمہیدی گفتگو:

جمہور اہلِ حق کے نزدیک ''دلائلِ شرعیہ'' چار ہیں: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔

جس کی مختصر وضاحت یہ ہے کہ یہ متفق علیہ اسلامی عقیدہ ہے کہ تمام اُمور حقیقت میں صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں، وہی مقتدرِ اعلیٰ اور حاکمِ مطلق ہے، کائنات میں اصل حکومت اُسی کی ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ، أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ، ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ، وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [یوسف ۴۰] (حکم تو صرف اللہ کا ہے، اُس نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کیا کرو، یہی سیدھا سچا دین ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں)۔

جب اقتدارِ اعلیٰ اور حکومت اُسی کی ہے تو اِطاعت وفرمانبرداری کے لائق ذات بھی بس اُسی کی ہوئی: فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ [التوبۃ ۱۳] (تو اللہ ہی مستحق ہے اِس بات کا کہ تم لوگ اُس سے ڈرو؛ اگر تم اِیمان والے ہو)۔

مگر ظاہر ہے کہ اللہ جلّ وعلا کی ذاتِ پاک ایسی بلند وبالا ہے کہ ایک عام مخلوق کی وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں ہے، اِس لیے بندوں تک اللہ کی مرضیات ونامرضیات اور مطلوبہ اَوامر ونواہی کی تفصیلات پہنچنے کے لیے کسی خاص ذریعے کی ضرورت ہوئی۔

وہ ذریعہ فرشتوں کی شکل میں بھی ہوسکتا تھا، مگر اس میں اِنسانی نفسیات، اِنسانوں کے ہمہ وقتی

مسائل اور اُن کے (انفرادی، اِجتماعی، معاشرتی، تمدنی) مختلف عوارض اور حالات کی رعایت مشکل تھی، اِس لیے حکمتِ باری تعالیٰ کا مقتضیٰ یہی ٹھہرا کہ پیغام رسانی کا یہ ذریعہ خود اِنسانوں ہی میں سے منتخب کیا جائے۔

یہیں سے اللہ کی زمین پر اللہ کے پیغامات کے پہنچنے اور عملی طور پر نافذ کیے جانے کے لیے، رسالت و پیغام بری کا عظیم الشان سلسلہ جاری کیا گیا، خود اللہ کا اِرشاد ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ، فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ﴾ [آل عمران ۱۷۹] (اللہ تعالیٰ تمھیں — براہِ راست تو غیب پر مطلع کرتے نہیں، بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں اپنا پیغمبر منتخب کر لیتے ہیں — اور اُسی سے اپنے پیغامات بھیجتے ہیں، لہٰذا اللہ پر اور اُس کے پیغمبروں پر اِیمان لاؤ)۔

''پیغمبری'' کے اِسی منتخب ذریعہ کو ''رسول'' کہا جاتا ہے، اور چوں کہ وہ عالمِ بالا اور عالمِ غیب کی خبریں دیتا ہے، اِس لیے اُس کو ''نبی'' (بڑی بڑی خبریں دینے والا) بھی کہتے ہیں۔

رسولوں اور نبیوں پر اللہ کا جو کلام اُترتا ہے، اور اُن کے ذریعے بندوں کے نام اللہ کا جو پیغام آتا ہے، اُس کو ''وَحی'' کہا جاتا ہے۔

یہ وحیٔ الٰہی کبھی نبی کے قلب میں (بیداری، یا خواب میں) اِلقاء کے ذریعہ ہوتی ہے، کبھی حجابِ نور کے پیچھے سے راست خطاب کے ذریعہ ہوتی ہے، اور کبھی، بلکہ اکثر وبیشتر کسی فرشتہ کے ذریعہ ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ [الشوریٰ ۵۱] (کسی فردِ بشر کی طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس سے — دنیا میں آمنے سامنے — گفتگو فرمائیں، ہاں مگر اِلہام — ورُؤیا — کے ذریعے، یا حجاب کے پیچھے سے، یا کسی فرشتے کو پیغام بر بنا کر بھیج دیں، تو وہ اُسی کے حکم سے اُس کے منشا کے مطابق پیغام پہنچا دے)۔

وحی و رسالت کا یہ ربانی سلسلہ ابو البشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اور ہر دور کے مناسب اُس وقت کے رسول اور پیغمبر کے ذریعہ خدائی اَحکام بندوں کے پاس آتے رہے، جن میں سے سیدنا حضرت اِبراہیم علیہ السلام پر نازل ہونے والے ''صحیفے''، اور سیدنا حضرت موسیٰ، حضرت داود، اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام پر اُترنے والی کتابیں اپنے مندرجات اور محتویات کی اہمیت کی بنا پر زیادہ مشہور ومعروف ہوئیں۔

پھر وحی ورسالت کا یہ سلسلہ افضل البشر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر مکمل ہو گیا، اور اللہ کی طرف سے آپ کو رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[الأحزاب ۴۰] (اللہ کا رسول اور آخری نبی) قرار دے دیا گیا، اَب آپ کے بعد نہ کوئی رسول و پیغمبر مبعوث ہوسکتا، اور نہ ہی کسی خدائی قانون اور اَحکام میں کوئی نسخ اور تبدیلی ہوسکتی، آپ پر نازل ہونے والی کتابِ ہدایت اور قیامت تک باقی رہنے والے آخری ربانی پیغام کو ''کتاب اللہ'' اور ''قرآن'' کہا جاتا ہے۔

قرآن: چوں کہ براہِ راست اللہ کا کلام ہے، تو جس طرح اللہ کی پاک ذات تک عام بندوں کی رسائی ممکن نہیں، اِسی طرح اُس کے پاک کلام کی گہرائی اور اُس کے حقیقی معنیٰ مرادی تک عام عقول واَفہام کی رسائی بھی ناممکن تھی، اِس لیے مرادِ خداوندی کی صحیح معرفت، اُس کے اَحکام کی عملی تطبیق اور اِنسانوں سے مطلوب اَعمال واَحوال کے عملی نمونہ کے لیے، قرآن کے ''بیان'' اور توضیح وتشریح کی ضرورت محسوس ہوئی، جس کے لیے ذاتِ رسول سے بڑھ کر کوئی ذات موزوں نہیں ہوسکتی تھی۔

اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرائضِ منصبی میں اِس کو بھی شامل کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ[النحل ۴۴] (اور ہم نے آپ پر ذِکر نازل کیا، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اُس کو بیان فرمادیں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے)۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحیثیت رسول اور شارع کے، قولاً، عملاً اور تقریراً جو کچھ بھی فرمایا گیا، وہ سب اِسی ''بیان'' کا حصہ ہے، جو ''تلاوتِ آیات'' سے الگ، آپ کا ایک مستقل وظیفہ اور کارِ نبوت تھا، اور اسی کو اصطلاح میں ''سنت'' (یا حدیث) کہا جاتا ہے۔

چوں کہ ''سنتِ رسول'' متنِ قرآن کی تشریح وتوضیح، اُس کی عملی شکل اور تنفیذی صورت کا نام ہے، نیز ''ذاتِ رسول'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کی طرف سے مفترض الطاعۃ اور واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے، اِس لیے ایک مومن کے لیے، کتاب اللہ ہی کی طرح سنتِ رسول اللہ کو بھی ماننے اور اُس پر ایمان لانے سے چارہ نہیں، جیسا کہ اللہ کا اِرشاد ہے: وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا[الحشر ۷] (اور رسول جو — مال، یا حکم — تمھیں دیں تو اُسے قبول کرو، اور جس چیز سے منع کریں اُس سے باز رہو)۔

اِطاعتِ رسول کی اِسی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے ایک جگہ اِرشاد ہے: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ

أَطَاعَ اللهَ[النساء۸۰] (جس نے رسول کی بات مانی تو درحقیقت اُس نے اللہ کا کہا مانا)۔

ایک اور جگہ اِرشاد ہے: **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**[النساء۶۵].

آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپسی اِختلافی مسائل میں آپ کو فیصل نہ بنائیں، پھر آپ جو فیصلہ کریں اُس سے اپنے دِلوں میں تنگی نہ محسوس کریں، اور— اُس کو پوری طرح تسلیم نہ کریں۔

یہاں غور کرنے کا پہلو یہ ہے کہ ایک طرف تو اللہ وحدہ لاشریک نے ہم بندوں سے ایسی توحید کا مطالبہ کیا ہے کہ جس میں ڈرنا، مانگنا، اور عبادت کرنا وغیرہ، صرف اور صرف اُسی کی ذاتِ پاک کے ساتھ خاص ہونا ضروری ہے، جیسا کہ متعدد قرآنی آیات میں اِس کی صراحت موجود ہے، دوسری طرف اُسی خدا نے اپنی رضامندی کو، اپنے رسول کی رضامندی سے وابستہ کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: **وَاللهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ**[التوبۃ۶۲] (اور اللہ اور اُس کے رسول اِس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ لوگ اُنھیں راضی رکھیں؛ اگر وہ— واقعی— مؤمن ہیں)۔

اِس میں خاص نکتہ یہ ہے کہ یہاں اللہ و رسول دونوں کی طرف لوٹنے والی ضمیر بجائے تثنیہ کے، مفرد لائی گئی ہے، جو ایک کی رضا کے دوسرے کی رضا کے ساتھ انضمام پر دلالت کرنے کے لیے نہایت واضح دلیل ہے۔

اِسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے دعوی کی سچائی کو، رسولِ پاک کی فرمانبرداری اور اتباع پر موقوف قرار دیتے ہوئے اِرشاد فرماتا ہے: **قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ**[آل عمران۳۱] (آپ فرمادیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو تم میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا)۔

اِن سب تفصیلات کی روشنی میں کہنا اصل یہ ہے کہ جس طرح (خود قرآنی تصریح کے مطابق) اللہ سے محبت کا کوئی دعویٰ، رسول کے اتباع کے بغیر معتبر نہیں، اللہ کی رضامندی کا حصول، رسول کی رضا کے بغیر ممکن نہیں، اِسی طرح قرآن فہمی، یا عمل بالقرآن کا کوئی دعویٰ، سنتِ رسول اور فرمانِ رسول کے واسطے کے بغیر مقبول نہیں:

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اِس طرح سے اِسلامی اُصول میں تمام تر اَحکامِ خداوندی اور پیغاماتِ ربانی کا سرچشمہ اور مدارِ اصلی ’’وحیٔ الٰہی‘‘ قرار پائی، اور وحیٔ الٰہی کے مصادر : ’’قرآن وحدیث‘‘ ٹھہرے، پھر خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر رسالت ونبوت کا یہ طویل سلسلہ مکمل، اور آسمانی وحی کا یہ عظیم سلسلہ منقطع ہوگیا، اَب قیامت تک نہ کوئی نبی آنا ہے، نہ کوئی رسول، اِرشادِ نبوی ہے: ’’كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي‘‘ [بخاری ۳۲۶۸ :، ومسلم ۱۸۴۲ :] (پہلے تو جب کوئی نبی وفات پاتا تو اُس کے بعد کوئی دوسرا نبی آجاتا تھا، مگر اَب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)۔ (باقی آئندہ)

یتیموں کا خیال

یتیم وہ ہے جس کے بالغ ہونے سے قبل اس کے والد کا انتقال ہوگیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم تھے، آپ کے والد ماجد (عبد اللہ) اس وقت انتقال فرما گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں (آمنہ) کے پیٹ میں تھے اور والدہ ماجدہ کی وفات اس وقت ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۶ رسال کے تھے۔ یتیموں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بڑی ہمدردی تھی، اس لیے آپ صحابۂ کرام کو یتیموں کی کفالت کرنے پر اکسایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح ہوں گے، آپ نے قربت بیان کرنے کے لیے بیچ اور شہادت کی انگلی سے اشارہ فرمایا۔ یعنی یتیم کی کفالت کرنے والا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (بخاری)

شان مسلمان | گذشتہ سے پیوستہ

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

مولانا مفتی محمد حیان بیگ

استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

اہلِ اسلام کی کامیابی پر کفار کا چیں بجبیں ہونا، اور ناکامی پر خوش ہونا

یا أیھا الذین آمنوا لا تتخذوا بطانۃً من دونکم لا یالونکم خبالاً، ودّوا ما عنتم قد بدت البغضاء من افواھھم وما تخفي صدورھم اکبر، قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون۔ ھا انتم اولاء تحبونھم ولا یحبونکم وتؤمنون بالکتاب کله، واذا لقوکم قالوا آمنا، واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ، قل موتوا بغیظکم، ان اللّٰہ علیم بذات الصدور۔ ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم وان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا، وان تصبروا وتتقوا لا یضرکم کیدھم شیئًا، ان اللّٰہ بما یعملون محیط۔ (آل عمران)

اے ایمان والو! اپنے علاوہ کسی اور کو راز دار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، ان کی دلی خواہش کہ تم تکلیف اٹھاؤ، بغض ان کی زبانوں سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (دشمنی) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے، ہم نے پتے کی بات تمہیں کھول کھول کر بتادی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔

دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور (ان کا حال یہ ہے کہ) جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم تو ایمان لاچکے ہیں، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہ دو: اپنے غصے سے خود مر جاؤ، اللہ تعالی سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔ اگر تمھیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمھیں کوئی ناگوار بات پیش آئے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں، اگر تم صبر اور تقوی سے کام لو ان کی چالیں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علم اور قدرت) کے احاطے میں ہے۔

سورۂ آلِ عمران کی ان آیات میں ایک ایسی حقیقت واشگاف کی گئی ہے، جو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے مشعلِ راہ ہے، اس میں یہود ونصاریٰ، کفار ومنافقین کی عداوت وعناد اور خبثِ باطن کو صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اہلِ اسلام سے کہا گیا ہے کہ کبھی کسی زمانے میں کفار کو اپنا معتمد یا رازدار نہ بنائیں، تاریخ کے کسی دور میں بھی ان دشمنانِ اسلام نے اذیت رسانی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے، جب بھی ان پر اعتماد کیا گیا ہے، انہوں نے ٹھیس پہنچائی ہے، لیکن کفار کی شب وروز کی ان ریشہ دوانیوں کے باوجود اسلام ترقی پذیر رہا، حاسدین ومعاندین جل بھن کر راکھ ہوتے رہے، نورِ خدا یونہی تاباں رہا، مخالفین کی کوئی کوشش بامراد نہ ہوسکی۔

یہ وہ حقائق ومضامین ہیں جو قرآنِ عظیم کی مختلف آیات میں الگ الگ انداز سے بیان کیے گئے ہیں۔

آیتِ بالا کا شانِ نزول یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے، ان کے ساتھ اوس وخزرج کے لوگوں کی قدیم زمانے سے دوستی چلی آرہی تھی، جب اوس وخزرج کے قبیلے مسلمان ہوگئے، تو اس کے بعد بھی وہ یہودیوں کے ساتھ پرانے تعلقات نبھاتے رہے، اور اپنے یہودی دوستوں سے اسی محبت وخلوص کے ساتھ ملتے رہے، لیکن یہود کو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی، اس کی بناء پر وہ کسی ایسے شخص سے مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے جو مسلمان ہوگیا ہو، چنانچہ انہوں نے انصار کے ساتھ ظاہر میں تو وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آرہے تھے، مگر دل میں وہ اب ان کے دشمن ہوچکے تھے، اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ وفساد برپا کردیں، اور ان کے راز حاصل کرکے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ایمان والوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ دیکھو! کفار کے ساتھ ظاہری رکھ رکھاؤ تو درست ہے، لیکن انہیں کسی بھی چیز میں اپنا معتمدِ خاص اور مشیرِ کار بنانا، ان پر بھروسہ کرنا نقصان سے خالی نہیں، وجہ اس کی یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ کفار ومشرکین (خواہ کسی دَور، کسی علاقے کے ہوں) تمہاری صفوں میں بگاڑ پیدا کرنے، تمہارے دینی ودنیوی امور میں فساد پیدا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے، اور یہ یہی چاہتے ہیں کہ تم ہمیشہ پریشان رہو، کبھی آسودہ نہ رہو، تمہاری دشمنی اور بغض تو ان سے چھپائے نہیں چھپتا، آئے دن ان کی زبانوں پر ظاہر ہوتا رہتا ہے، اور اس سے کہیں زیادہ بغض وعناد تو ان

کے سینوں میں ہے، یہ کبھی تمہارے حقیقی ہمدرد یا خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔آگے خدا تعالی فرماتے ہیں کہ : ہم تمہارے سامنے تفصیل کے ساتھ سب کچھ بیان کر دیا ہے، اب اگر تمہارے اندر عقل و دانش ہے تو ہوش کے ناخن لو، اور غفلت وابلہی کا پردہ چاک کرو!

تفسیرِ قرطبی میں منقول ہے کہ: ایک مرتبہ حضرت ابو موسی اشعری رضؓ نے حساب و کتاب کا ایک پرچہ کسی نصرانی سے لکھوایا، حضرت عمر کو جب علم ہوا تو حضرتِ عمر رضؓ نے تنبیہ فرمائی، اور ارشاد فرمایا : **لا تدنهم وقد أقصاهم الله، ولا تكرمهم وقد أهانهم الله، ولا تأمنهم وقد خوّنهم الله**۔ (جب اللہ تعالی نے انہیں دور کر دیا تو تم بھی انہیں قریب نہ کرو، اور جب اللہ تعالی نے انہیں عزت نہیں دی تو تم بھی انہیں عزت نہ دو، اور جب اللہ تعالی نے انہیں خائن قرار دیا ہے، تو تم بھی ان سے مطمئن نہ رہو، بلکہ محتاط رہو۔)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ سے کسی نے عرض کیا کہ: یہاں حیرہ کے نصاری میں سے ایک شخص ہے جو بہترین کاتب ہے، اس سے اچھا کاتب یہاں کوئی نہیں، آپ اس سے کیوں نہیں لکھواتے؟ تو فرمایا : میں مسلمانوں کے علاوہ کسی غیر کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتا۔

اس کے بعد اگلی آیت ۱۱۹ میں ارشاد ہے :

> تم تو ایسے ہو ان سے پرانی رشتہ داری یا تعلقات کی وجہ سے محبت و ہمدردی رکھتے ہو، اور باوجودیکہ یہ تمہارے دشمن ہیں، اور انہوں نے تمہیں بہت تکلیفیں پہنچائی ہیں تم یہ چاہتے ہو کہ یہ حلقہ بگوش اسلام ہو کر سعادتِ دارین حاصل کر لیں، اس سے بڑی محبت اور خیر خواہی کیا ہو سکتی ہے؟!
>
> اور دوسری طرف یہ ہیں کہ ان کو تم سے کوئی ہمدردی یا محبت نہیں ہے، بلکہ یہ تو تمہاری بیخ کنی میں لگے رہتے ہیں، اسی طرح تم تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، اور تمہاری دشمنی اور حسد میں جلے مرے جاتے ہیں۔

اسی لیے کہا گیا کہ: کہہ دیجیے: غیظ و حسد میں جل کر خاک ہوتے رہو، شمعِ اسلام یونہی فروزاں رہے گی۔

علامہ ابنِ عاشور رحؒ فرماتے ہیں کہ: اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دشمنانِ دین ہمیشہ کڑھن اور حسد میں جلتے مرتے رہیں گے، اور مسلمان ہر دور میں خوشحال رہیں گے، وقتی طور پر کچھ آزمائش ہوتی رہیں گی، تاہم فی الجملہ حالات بہتر سے بہتر ہوتے رہیں گے، اور اسلام دشمنوں کی ہزار کوششوں کے باوجود پھلتا پھولتا رہے گا۔

آیت ۱۲۰ میں فرمایا گیا :

اسی پر بس نہیں بلکہ ان دشمنوں سے تو تمہاری خوشی بھی نہیں دیکھی جاتی ، اگر کوئی کامیابی تمہارے ہاتھ لگتی ہے، کسی جنگ میں فتح ونصرت سے تم ہم کنار ہوتے ہوتو ان کو سخت صدمہ ہوتا ہے، ہاں اگر تمہیں کوئی گزند پہنچ جائے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔

پھر اللہ تبارک وتعالی نے ان دشمنان کے مکروفریب، اذیت ومخالفت سے محفوظ رہنے کا ایک عظیم نسخہ بیان کیا ہے: **وإن تصبروا وتتقوا لا يضركم كيدهم شيئًا، ان الله بما يعملون محيط** ۔اگر تم صبر وتقوی اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

قرآنِ کریم نے یہ جو نسخہ بیان کیا ہے یہ درحقیقت سعادت وکامرانی کا وہ نسخۂ کیمیا ہے جس پر عمل پیرا ہوکر ہر زمانے کے مسلمان سفینۂ نجات پر سوار ہوسکتے ہیں، اور منزلِ مقصود تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں، قرآن کی بہت سی آیات، نیز احادیثِ مبارکہ میں صبر وتقوی کی بڑی تاکید وفضیلت آئی ہے، اور ہر دو کو مصائب وآلام سے محفوظ رہنے کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

صبر کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کسی بھی حال میں دین وشریعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، شریعت کے جو احکام اور ہدایات ہیں ان کی پیروی کرے، خواہ اس کو اس سلسلہ میں کتنی ہی مشقت اٹھانی پڑے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ: **معنى الآية أن كلّ من صبر على أداء أوامر الله تعالى واتقى كلّ ما نهى الله عنه كان في حفظ الله فلا يضرّه كيد الكافرين ولا حيلُ المحتالين... (تفسير الرازي)**

جو شخص بھی اللہ کے احکام کو پابندی سے بجالاتا رہے گا، اور جن چیزوں سے اللہ تعالی نے روکا ہے ان سے بچنے کا اہتمام کرتا رہے گا، وہ اللہ تعالی کے حفظ وامان میں رہے گا، اور کفار کی سازشیں اور چالبازوں کے حیلے اور تدبیریں اس کا بال بیکا نہیں کرسکیں گی۔

ظاہر ہے جب بندہ بندگی کے حقوق پورا کرے گا، تو اللہ تعالی اپنے عہدِ ربوبیت کو پورا کریں گے، اور ایسے وفادار بندے کی حفاظت فرمائیں گے، بہت سی دیگر آیات میں بھی اس طرح کے مضامین وارد ہوئے ہیں۔ (جاری)

حاصلِ مطالعہ نویں قسط

قرآن کریم میں مذکور تاریخی واقعات

مفتی عبداللہ سہارنپوری
متخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں:

قرآن میں حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے :

۱— سورۂ مریم میں: وَٱذْكُرْ فِي ٱلْكِتَٰبِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ـ وَرَفَعْنَٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور تذکرہ کیجیے قرآن میں ادریس کا، بلاشبہ وہ سچے نبی تھے اور بلند کیا ہم نے ان کے مقام کو۔

سورۂ انبیاء میں: وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ كُلٌّ مِّنَ ٱلصَّٰبِرِينَ

اور اسماعیل ادریس اور ذوالکفل کو دیکھو ! یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔

نام ونسب اور زمانہ:

حضرت ادریسؑ کے نام، نسب اور زمانہ کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلاف ہے، اور تمام اختلافات کو سامنے رکھنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کن یا کم ازکم راجح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن نے تو اپنے مقصد رشد وہدایت کے پیشِ نظر تاریخی بحث سے جدا ہو کر صرف ان کی نبوت، رفعت، امامت اور ان کی صفات عالیہ کا ذکر کیا ہے، اور اسی طرح حدیثی روایات میں بھی صرف یہی پہلو ملتے ہیں۔

اُممِ سابقہ کی تاریخ اور اسرائیلی روایات وغیرہ کی روشنی میں ابن اسحاق علیہ الرحمہ اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ آپ نوح علیہ السلام کے جدِ امجد ہیں، اور آپ کا نام اخنوخ ہے اور ادریس لقب ہے۔ یا عربی زبان میں ادریس اور عبرانی یا سریانی زبان میں ان کا نام اخنوخ ہے۔

نسب نامہ یہ ہے: اخنوخ یا خنوخ (ادریس) بن بادر بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

حضرت ادریس کی ایجادات:

صحیح ابن حبان (۱/ ۵۳۴) میں ایک روایت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم استعمال کیا۔

حضرت ادریس علیہ السلام پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علم وحکمت اور نجوم کی ابتداء کی، اس لیے کہ اللہ تعالی نے ان کو افلاک اور افلاک کی ترکیب، کواکب اور ان کے اجتماع و افتراق کے نکات اور ان کے باہم کشش کے رموز و اسرار کی تعلیم دی، اور ان کو علم عدد وحساب کا عالم بنایا۔

اور محققین نے فرمایا کہ: اگر اس پیغمبر خدا کے ذریعہ ان علوم کا انکشاف نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی مشکل تھی۔

آپ نے مختلف گروہوں اور جماعتوں کے لیے ان کے مناسب حال قوانین وقواعد مقرر فرمائے اور اقطاع عالم کو چار حصوں میں منقسم کر کے ہر ربع وچوتھائی کے لیے ایک حاکم مقرر کیا، جو اس حصہ زمین کی سیاست وملوکیت کا ذمہ دار قرار پایا، اور ان چاروں کے لیے ضروری قرار دیا کہ تمام قوانین سے مقدم شریعت کا وہ قانون رہے گا جس کی تعلیم وحیِ الہی کے ذریعے میں نے تم کو دی ہے۔

حضرت ادریس کی تعلیم کا خلاصہ:

خدا کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانا، صرف خالق کائنات کی پرستش کرنا، آخرت کے عذاب سے رستگاری کے لیے اعمالِ صالحہ کو ذریعہ بنانا، دنیا سے بے التفاتی اور تمام امور (میں عدل) وانصاف کو پیش نظر رکھنا، اور مقررہ طریقہ پر عبادتِ الہی ادا کرنا، اور ایام بیض کے روزے رکھنا، دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنا، زکاۃ ادا کرنا، طہارت ونظافت سے رہنا، خصوصیت کے ساتھ جنابت، کتے اور سور سے اجتناب کرنا اور ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرنا، ان کی تعلیم کا لبِ لباب ہے۔

آپ نے اپنے پیروؤں اور متبعین کے لیے بحکمِ الہی سال میں چند دن عید کے مقرر فرمائے اور چند مخصوص اوقات میں نذر اور قربانی دینا فرض قرار دیا، ان میں سے بعض رؤیت ہلال پر ادا کی جاتی تھیں، اور بعض اس وقت جب کہ سورج کسی برج میں داخل ہونے لگا ہو، اور بعض جگہ سیارے اپنے بیوت وبروج میں داخل ہوں اور بعض سیارے بعض سیاروں کے مقابل آجائیں۔

نذرِ الٰہی کے طریقے :

اللہ کے سامنے نذر اور قربانی پیش کرنے کے لیے آپ کی شریعت میں یہ چیزیں اہمیت رکھتی تھیں: خوشبوؤں کی دھونی، جانوروں کی قربانی، میووں اور پھلوں وغیرہ میں سے موسم کی پہلی چیز کی نذر ضروری تھی۔ اور میووں میں سے سیب کو، اناج میں سے گیہوں کو اور پھولوں میں سے گلاب کو ترجیح حاصل تھی۔

بعد میں آنے والے نبیوں کے متعلق بشارت:

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا کہ میری طرح اس عالم کی دینی ودنیوی اصلاح کے لیے بہت سے انبیاء کرام تشریف لائیں گے اور ان کی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی :

(1) وہ ہر ایک بُری اور فحش بات سے بَری اور پاک ہونگے۔

(2) قابلِ ستائش اور فضائل میں کامل ہوں گے۔ زمین وآسمان کے احوال سے اور ان امور سے کہ جن میں کائنات کے لیے شفاء ہے یا مرض، وحیِ الٰہی کے ذریعے اس طرح واقف ہوں گے کہ کوئی سائل تشنہ نہ رہے گا، وہ مستجاب الدعوات ہوں گے اور ان کے مذہب کی دعوت کا خلاصہ اصلاحِ کائنات ہوگا۔

حضرت ادریس کی خلافتِ ارضی:

جب حضرت ادریس خدا کی زمین کے مالک بنادیے گئے تو انہوں نے علم وعمل کے اعتبار سے خدا کی مخلوق کو تین طبقات میں تقسیم کردیا: عالم، بادشاہ، اور رعیت۔ اور حسبِ ترتیب ان کے مراتب مقرر فرمائے، عالم سب سے پہلا اور بلند درجہ قرار پایا۔ اس لیے کہ وہ خدا تعالی کے سامنے اپنی ذات کے علاوہ بادشاہ اور رعیت کے معاملات میں بھی جواب دہ ہے۔ اور بادشاہ کا دوسرا درجہ رکھا گیا اس لیے کہ وہ اپنے نفس اور امورِ مملکت کے متعلق جواب دہ ہے۔ اور رعیت صرف اپنے نفس ہی کے لیے جواب دہ ہے اس لیے وہ تیسرے طبقہ میں شامل ہے، لیکن یہ طبقات فرائض کے اعتبار سے تھے نہ کہ نسل وخاندان کے امتیازات کے لحاظ سے، بہرحال حضرت ادریس علیہ السلام آخر تک انہی قواعد وقوانین اور شریعت وسیاست کی تبلیغ فرماتے رہے۔

حضرت ادریسؑ کے پند ونصائح:

حضرت ادریس کے بہت سے پند ونصائح اور آداب واخلاق کے جملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں

میں ضرب المثل اور رموز واسرار کی طرح مستعمل ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱— خدا کی بیکراں نعمتوں کا شکریہ انسانی طاقت سے باہر ہے۔

۲— جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہش مند ہو اس کو جہالت کے اسباب اور بد کرداری کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے۔

۳— دنیا کی بھلائی حسرت ہے اور برائی ندامت۔

۴— خدا کی یاد اور عملِ صالح کے لیے خلوصِ نیت شرط ہے۔

۵— نہ جھوٹی قسمیں کھاؤ، اور نہ اللہ تعالی کے نام کو قسم کے لیے تختۂ مشق بناؤ اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو، کیوں کہ ایسا کرنے سے تم بھی شریکِ گناہ ہو جاؤ گے۔

۶— اپنے بادشاہوں کی (جو کہ پیغمبر کی جانب سے احکامِ شریعت کے نفاذ کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں) اطاعت کرو، اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو اور ہر وقت حمدِ الٰہی میں اپنی زبان کو تر رکھو۔

۷— حکمت، روح کی زندگی ہے۔

۸— دوسروں کی خوش عیشی پر حسد نہ کرو، اس لیے کہ ان کی یہ مسرور زندگی چند روزہ ہے۔

۹— جو ضروریاتِ زندگی سے زیادہ طالب ہوا، وہ کبھی قانع نہ رہا۔

جنت واجب ہوگئی

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا، آپ نے ایک آدمی کو قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ پڑھتے ہوئے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ واجب ہوگئی، میں نے پوچھا کہ اللہ کے رسول کیا چیز واجب ہوگئی، آپ نے فرمایا جنت۔

أَبُو هُرَيْرَةَ يَقُولُ: أَقْبَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ (قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ) فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَجَبَتْ، فَسَأَلْتُهُ مَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ أَلْجَنَّةُ" (سنن النسائی ۹۹۴)

حاصلِ مطالعہ

پانچویں قسط

دفاعِ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی

مفتی محمد جابر میواتی

استاذ شعبۂ تفسیر مظاہر علوم سہارنپور

چوتھا اعتراض: امام المجتہدین سید الفقہاء امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ کے یہاں قیاس کا استعمال زیادہ ہے، محض قیاس کی بنیاد پر آپ نے بہت سی احادیث کی مخالفت کی ہے، امام احمدؒ نے ''کتاب السنۃ'' (رقم ۲۴۷) میں اوزاعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

أبو حنيفة ضيّع الأصول، وأقبل على القياس.

کہ امام ابوحنیفہؒ نے قرآن وحدیث کی مخالفت کی اور قیاس میں لگ گئے۔

ابن عبدالبر مالکیؒ ''جامع بيان العلم وفضلہ'' (ص ۱۰۸۴) پر لکھتے ہیں:

والذين تكلموا فيه من أهل الحديث أكثر ما عابوا عليه الإغراق في الرأي والقياس.

کہ جن محدثین نے آپ پر کلام کیا ہے، وہ اکثر رائے اور قیاس کا زیادہ استعمال ہے۔

جواب: امام اعظم ابوحنیفہؒ بلاشبہ فقہِ اسلامی کے مدوّنین اولین میں شمار ہوتے ہیں، قرآن وحدیث سے مسائل کے اخذ واستنباط کے لیے آپ نے بہت سے قواعد وضوابط وضع فرمائے جو اصولِ شرع کی مضبوط بنیادوں پر مبنی ہیں۔ مشہور شافعی عالم ابن حجر ہیتمی ''الخیرات الحسان'' (ص ۶۹) میں لکھتے ہیں:

واعلم! أن ممن زعم ذلك من المتقدمين الثوري، وآخرين منهم أبو بكر بن أبي شيبة شيخ البخاري، وسبب صدور ذلك منهم أنهم استروحوا، ولم يتأملوا قواعده وأصوله.

کہ احادیث کی مخالفت کا اعتراض متقدمین میں سے سفیان ثوری اور ابوبکر بن ابی شیبہ وغیرہ بہت سے لوگوں نے کیا ہے، جس کا سبب یہ ہے کہ اِن معترضین نے امام صاحب کے اصول وقواعد میں غور وفکر نہیں کیا۔

اُنھی قواعد وضوابط میں سے ایک اہم ضابطہ فتوی دینے اور نئے مسائل کے اخذ کرنے میں ادلۂ شرع کی ترتیب سے متعلق ہے، جس کے متعلق حضرت شیخؒ مقدمہ اَوجز المسالک کے ''الفائدۃ التاسعۃ'' میں لکھتے ہیں:

جاء عن أبي حنيفة رضي الله عنه من طرق كثيرة ما ملخصه:أنه أَوَّلاً يأخذ بما في القرآن، فإن لم يجد فبالسنة، فإن لم يجد فبقول الصحابة، فإن اختلفوا أخذ بما كان أقرب إلى القرآن أو السنة من أقوالهم، ولم يخرج عنهم، فإن لم يجد لأحد منهم قولاً لم يأخذ بقول التابعين، بل يجتهد كما اجتهدوا.

کہ امام ابوحنیفہؒ سے متعدد طرق سے یہ مروی ہے کہ آپ اولاً قرآن کریم کو دیکھتے ہیں، اگر اُس میں مسئلۂ مطلوبہ مل جائے تو بہت اچھا، اور اگر نہ ملے تو دوسرے نمبر پر سنتِ نبویہ پر نظر ڈالتے ہیں، اگر اُس میں مسئلۂ مطلوبہ مل جائے فبہا، تیسرے نمبر پر آثارِ صحابہ کو کھنگالتے ہیں، اگر اُن میں مل جائے تو اسی کے مطابق فتوی دیتے ہیں، اور اگر صحابہ کے اقوال میں اختلاف ملتا ہے تو اُنہی اقوال کے اندر رہتے ہوئے أقرب الی القرآن والسنۃ کو اختیار کرتے ہیں، اقوال صحابہ کو چھوڑ کر کسی اور کا قول نہیں لیتے، اور اگر آثار صحابہ میں بھی اُس کے متعلق کچھ نہ ملے تو تابعین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ بذاتِ خود اجتہاد کرتے ہیں۔

امام صاحبؒ سے یہ اصول، ابوعبداللہ صیمری حنفیؒ نے ''أخبار أبي حنيفة'' (ص ۲۴)، ابن ابی العوام حنفیؒ نے ''فضائل ابی حنیفہ'' (ص ۹۹)، خطیب بغدادی شافعیؒ نے ''تاریخ بغداد'' (۱۳/ ۳۶۵)، ابن عبد البر مالکیؒ نے ''الانتقاء فی فضائل الائمة الثلاثة الفقهاء'' (ص ۲۶۶)، اور موفق مکی حنفیؒ نے ''مناقب الامام الأعظم'' (۱/ ۷۷) میں متفرق طور پر اِن سات بڑے علماء سے نقل کیا ہے:

۱—سفیان ثوری، ۲—امام ابویوسفؒ، ۳—عبداللہ بن المبارک، ۴—عبدالکریم بن ہلال، ۵—نعیم بن حماد، ۶—ابوحمزہ سکری، ۷—ابوعصمہ۔

شارعِ علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جس وقت یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، تو اُن کو کچھ نصیحتیں فرمائی، اور یہ دریافت فرمایا کہ اگر تمھیں کوئی جدید مسئلہ درپیش آیا تو کیا کروگے، انھوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ میں تلاش کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ انھوں نے جواب دیا کہ پھر سنت رسول اللہ میں تلاش کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول میں بھی نہ ملے تو؟ آپ نے جواب دیا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور حضرت معاذؓ کے سینہ پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا:

الحمدُ لله الذي وَفّقَ رسولَ رسولِ الله لِمَا يرضِي رسولَ الله.

(سنن أبي داود، ۳۵۹۲، وسنن الترمذی ۱۳۲۷)۔

بعینہ یہی ترتیب محدث دارمیؒ نے اپنی ''سنن'' (رقم ۱۶۳) میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عمل سے نقل کی ہے۔ بلکہ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو اپنے قاضی شریحؒ کو یہ اصول لکھ کر ارسال فرمایا تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اِسی ترتیب کے موافق اُس کا جواب دیا جائے، جیسا کہ ''سنن نسائی'' (رقم ۵۳۹۹) میں بسندِ صحیح منقول ہے۔ اور یہی ترتیب نسائی (رقم ۵۳۹۷) میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے اور دارمی (رقم ۱۶۸) میں عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔

حضرت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخینؓ ودیگر صحابہ کے اقوال وافعال سے یہ معلوم ہو گیا کہ ''قیاس'' ایک معتبر دلیل ہے، اس کے بغیر جدید مسائل کے احکام جاننا دشوار ونا ممکن ہے، ہاں یہ ضرور ملحوظ رہے کہ اُس کا مرتبہ کس درجہ کا ہے، مذاہبِ اربعہ کے اصولِ فقہ کی کتابوں میں مستقل ابواب کے تحت اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ ابن المنذرؒ اپنی کتاب ''الإجماع'' (ص ۲۸) پر ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

إن القياس حجة شرعية، وهو متأخر في الرتبة عن الكتاب والسنة.

کہ قیاس ایک دلیلِ شرعی ہے، جس کا درجہ کتاب وسنت کے بعد ہے۔

اِس لیے ہم کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ مسائل شرعیہ کے استنباط میں قیاس کا استعمال کرتے تھے، اور وہ کوئی پہلے شخص نہیں جنھوں نے قیاس اور رائے کو استعمال کیا، بلکہ تمام صحابہ وتابعین اور ائمۂ مسلمین حسبِ موقع بقدرِ ضرورت قیاس کو بروئے کار لاتے رہے، اور اُس کی روشنی میں مسائلِ شرعیہ کا استنباط کرتے رہے، خطیب بغدادیؒ نے ''الفقیہ والمتفقہ'' میں اِس سے متعلق بہت سے علماء کے قول وعمل کو ذکر کیا ہے۔

ابوبکر جصاص رازی ''الفصول فی الأصول'' (۴/ ۲۳) میں لکھتے ہیں:

لا خلاف بين الصدر الأول والتابعين وأتباعهم في إجازة الاجتهاد والقياس على النظائر في أحكام الحوادث، وما نعلم أحدا نفاه... إلخ.

کہ قرنِ اول اور تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں اجتہاد اور نظائر پر قیاس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں تھا، کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، یہاں تک کہ کچھ لوگ ہوئے جو فقہ واصولِ فقہ سے جاہل اور طریقۂ سلف سے نابلد تھے، اور اُن میں سب سے پہلے ابراہیم نظام معتزلی نے قیاس کا انکار کیا، اور بہت سے صحابہ پر قیاس کی وجہ سے طعن وتشنیع کی۔

امام اعظمؒ کے یہاں قیاس کی کیا نوعیت ہوتی تھی، اُس کا درجہ کیا ہوتا تھا، درجِ ذیل نصوص سے یہ

بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے:

خطیب بغدادیؒ نے "تاریخ بغداد" (۱۳/ ۳۴۰) میں فضیل بن عیاضؒ سے نقل کیا ہے:

وكان إذا وردت عليه مسألة فيها حديث صحيح اتبعه؛ وإن كان عن الصحابة والتابعين، وإلا قاس، فأحسن القياس.

کہ آپ کے سامنے جب کسی مسئلہ میں حدیثِ صحیح ہوتی تو اُس کا اتباع کرتے، اگرچہ صحابہ اور تابعین سے ہی کیوں نہ ہو، اور اگر حدیث نہ ملتی تو قیاس کرتے تھے، اور بہت ہی عمدہ قیاس کرتے تھے۔

ابن ابی العوام نے "فضائل ابی حنیفہ" (ص ۸۱) میں مالک بن مِغوَل سے نقل کیا ہے:

كان أبو حنيفة بصيرا بالفقه، يقيس ما لم يكن على ما كان.

کہ امام ابوحنیفہ فقہ وشریعت کی بصیرت رکھتے تھے، اور جو مسائل نئے نئے پیش آتے تھے، اُن کو پہلے پیش آمدہ مسائل پر قیاس کرتے تھے۔

علامہ شعرانیؒ نے "المیزان الکبریٰ" (۱/ ۲۲۵) میں ابو مطیع بلخیؒ سے نقل کیا ہے کہ:

ہم امام صاحبؒ کے ساتھ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی وقت سفیان ثوری، مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ اور امام جعفر صادق وغیرہ کئی بڑے علماء تشریف لائے، اور امام صاحبؒ سے کہا: **بلغنا أنك تُكثِر من القياس في الدين، وإنما نخاف عليك منه، فإنه أوّل من قاس إبليس.**

کہ ہمیں آپ کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ دینی مسائل میں قیاس بہت کرتے ہیں، ہمیں آپ کے سلسلہ میں خوف ہے، کیونکہ سب سے پہلے قیاس تو ابلیس لعین نے کیا تھا۔

اس پر امام صاحب نے صبح سے زوال تک اِن حضرات سے مذاکرہ کیا، اور اِن کے سامنے اپنا صحیح مسلک ومنہج پیش کیا، جس پر وہ سب حضرات مطمئن ہوئے، دست بوسی کی، اور یہ کہا کہ آپ سید العلماء ہو، ہم نے آپ کے بارے میں صحیح علم کے بغیر کچھ باتیں کہدی تھیں، آپ معاف فرمادیں۔

موفق مکیؒ نے "مناقب الامام الأعظم" (۱/ ۸۱) میں اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ایک شخص نے کسی سے کہا کہ اِس قیاس کو چھوڑ دو، کیونکہ سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا تھا، تو امام صاحب نے اسے بلایا، اور فرمایا کہ آپ کی بات بے محل ہے، ابلیس نے قیاس کرکے اللہ تعالی کے فرمان کا انکار کیا تھا، اس لیے وہ کافر ہوا، اور ہمارا قیاس تو اللہ تعالی کی اتباع ہی کے لیے ہوتا ہے، کیونکہ ہم قیاس کتاب اللہ، سنتِ رسول اور آثارِ صحابہ وتابعین کی روشنی میں

کرتے ہیں، ہم تو انہی کا اتباع کرتے ہیں، تو ہم ابلیس جیسے کیونکر ہوئے؟ اُس شخص نے عرض کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، میں توبہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو روشن کرے جیسا کہ آپ نے میرا دل روشن کر دیا۔

امام ابوحنیفہؒ کے علوم کے ناقل ومحافظ امام محمدؒ "الحجة علی أھل المدینة" (۱/ ۲۰۴) میں ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

لولا ما جاء من الآثار كان القياس على ما قال أهل المدينة، ولكن لا قياس مع أثر، وليس ينبغي إلا أن ينقاد للآثار.

کہ اگر یہ آثار نہ ہوتے تو قیاس کا تقاضہ وہی ہے جو اہلِ مدینہ کہتے ہیں، لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کا اعتبار نہیں، اور مناسب نہیں ہے سوائے اِس کے کہ قیاس کو حدیث کے تابع کر دیا جائے۔

اسی طرح روزہ کی حالت میں اگر کوئی بھول کر کچھ کھالے یا پی لے، تو اُس پر قضاء نہیں ہے، جبکہ اہلِ مدینہ قضاء کے قائل ہیں۔ اِس مسئلہ میں امام محمدؒ لکھتے ہیں "الحجة علی أھل المدینة" (۱/ ۳۹۲):

وقال أبو حنيفة: لولا ما جاء في هذا من الآثار لأمرت بالقضاء.

امام صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر اِس سلسلہ میں حدیث وآثار منقول نہ ہوتے تو میں قضاء کا حکم دیتا۔

"کتاب الأصل" (۱/ ۳۳) پر مضمضہ اور استنشاق سے متعلق ایک مسئلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

هما في القياس سواء، إلا أنا ندَعُ القياس للأثر الذي جاء عن ابن عباس.

کہ قیاس میں تو یہ دونوں برابر ہیں، مگر ہم نے اثرِ ابن عباسؓ کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا۔

"کتاب الأصل" (۳/ ۳۷۳) پر گھر کی تقسیم میں قرعہ سے متعلق فرماتے ہیں:

القرعة في القياس لا تستقيم، ولكنا تركنا القياس في ذلك وأخذنا بالأثر والسنة.

کہ قیاس کے لحاظ سے تو یہاں قرعہ اندازی درست نہ ہونی چاہئے، لیکن ہم نے حدیث اور اثر کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا ہے۔

امام محمدؒ کی کتابوں میں اِس نوعیت کی اور بھی سینکڑوں عبارات موجود ہیں، جو اِس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ ائمہ حنفیہ، خاص کر امام اعظم کے یہاں دیگر فقہاء کرام کی طرح قیاس کا استعمال تو ہے، لیکن اُس سے قوی تر دلائل نہ ہونے کے وقت۔ اور یہی شریعت کا اصول بھی ہے، جو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے

منقول ہے۔ اسی لیے ابن حزم ظاہریؒ ”ملخص إبطال القیاس“ (ص ۶۸) میں لکھتے ہیں:

جميع أصحاب أبي حنيفة مجمعون على أن ضعيف الحديث أولى عنده من القياس.

کہ تمام حنفیہ اِس بات پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف بھی اُن کے یہاں قیاس سے مقدم ہے۔

اور رہا وہ قیاس جو کتاب وسنت کے مقابلہ میں ہو، آثارِ صحابہ کو رد کرتا ہو، تو اس کی امام صاحب کے یہاں کوئی حیثیت نہیں ہے، یعقوب فسویؒ نے ”المعرفۃ والتاریخ“ (۲/ ۶۷۳) میں وکیع بن الجراح کے واسطہ سے امام صاحبؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

من القياس قياس أقبح من البول في المسجد.

کہ بعض قیاس تو مسجد میں پیشاب کرنے سے بھی زیادہ بدتر ہوتے ہیں۔

اِس سے مراد وہی قیاس ہے جو صریح قرآن وحدیث کے خلاف ہو۔

اِس لیے یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں، غلط ہے، خود ابن عبدالبر مالکیؒ اِس اعتراض کو نقل کرنے کے فوراً بعد لکھتے ہیں: **وليس بصحيح**، کہ یہ اعتراض درست نہیں ہے۔

آخرت میں جزا وسزا

قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارا یہ ایمان وعقیدہ ہے کہ ایک دن یہ دنیا فنا ہوجائے گی اور دنیا کے وجود سے لے کر کل قیامت تک آنے والے تمام اِنس وجن کو قیامت کے میدان میں جمع کیا جائے گا اور دنیاوی زندگی میں اچھے اور برے اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جنت یا جہنم کا فیصلہ فرمائے گا۔ جنت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی آرائش وآرام کی چیزیں مہیا کر رکھی ہیں کہ ہماری عقل ان کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ دنیاوی آگ کی تپش سے ۷۰/ گنا زیادہ ہے، جہاں خون اور پیپ بہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جہنم سے ہماری حفاظت فرما کر ہمارے لیے جنت الفردوس کا فیصلہ فرمائے۔ دنیا میں اس وقت جو انسان بستے ہیں، ان کی اکثریت اس بات کا یقین ضرور رکھتی ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے، جس میں اس دنیاوی زندگی کے اعمال کی جزا یا سزا ملے گی، جو اخروی زندگی کے برحق ہونے کی خود ایک دلیل ہے۔

ملفوظات

از فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم ہند

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
معین مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا حسین مدنیؒ ،مولانا اصغر حسین صاحب دیوبندی کے ہمراہ (بزمانہ طالب علمی) دارالعلوم دیوبند سے راتوں رات پیدل چل کر عاشورۂ محرم کو گنگوہ پہونچے (مدرسہ کی تعطیل ہونے کیوجہ سے) صبح کیوقت حضرت گنگوہی سے ملاقات کی،حضرت نے آنے کی غرض پوچھی تو فرمایا کہ حضرت کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں کہ عاشورہ محرم کی تعطیل ہے،حضرت نے فرمایا کھانا کھایا؟ عرض کیا کہ نہیں۔ پوچھا پیسے ہیں؟ عرض کیا نہیں،آپ نے پیسے دلائے اورارشاد فرمایا کہ بازار سے کچھ لیکر کھالواورابھی واپس جاؤ تا کہ سبق کا ناغہ نہ ہو۔اور چونکہ حضرت دارالعلوم کے سرپرست تھے اس لئے فرمایا کہ اب سے عاشورہ کی تعطیل بند۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت مدنی اورحضرت مولانا شبیراحمدعثمانیؒ میں سیاسی اختلاف تھا مگر قلوب صاف تھے جیسا کہ اس سے ظاہر ہے کہ جب حضرت مدنیؒ گرفتار ہوکر جیل گئے اورجب رہا ہوکر تشریف لائے تو پہلے حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے ان سے ملاقات کی اس کے بعد اپنے مکان تشریف لے گئے۔ارشاد فرمایا کہ یہ تو ان لوگوں کا حال تھااورآج حال یہ ہے کہ جس سے اختلاف ہو گیا اس کے مکان کی طرف سے گذرنا بھی گوارہ نہیں۔

ارشاد فرمایا کہ: ایک مرتبہ حضرت مدنیؒ نے طلبہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کو مطبخ سے دو روٹی ملتی ہے اورتم دونوں کو کھا جاتے ہو اتنا نہیں ہوتا کہ ڈیڑھ روٹی پر قناعت کریں اورآدھی روٹی کسی غریب کو دیدیں،اسی طرح بستر پر سوتے ہو تکیہ لگاتے ہو،میں جب تک طالب علم رہا کبھی بستر پر نہیں سویا اور نہ تکیہ لگایا بلکہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سوجا تا تھا۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت قاری طیب صاحبؒ کی والدہ کی طبیعت علیل ہوئی دردسر ہوا حکیم اورڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا لیکن افاقہ نہ ہوا حضرت مدنیؒ کواطلاع کی گئی توآپ تشریف لائے اورجھاڑپھونک کیا پھرسرجھکاکربیٹھ گئے یہاں تک کہ جب انہوں نے اطمینان ظاہر کیا کہ اب دردنہیں توسر اٹھایا اور فرمایا کہ میں اس درکاغلام ہوں جس وقت جوضرورت درپیش ہومطلع کرادیا کریں حاضر ہوجایاکروں گااورحاضری کوسعادت سمجھوں گا۔

ارشاد فرمایا کہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمودالحسن دیوبندیؒ کےقدم ایک مرتبہ کثرت عبادت کی بناءپرورم(سوج) گئےتواس پرخوش ہوکرفرمایا کہ آج ایک سنت''حتی تورمت قدماہ''(حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کےقدمہائے مبارک کثرت قیام کی بناءپرورم کرجایاکرتے تھے)پراتباع نصیب ہوا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت شیخ الہندؒ قیام دیوبند کے دوران جمعہ کے روز دیوبند سے باہر نہرپرتشریف لے جاتے،کپڑے دھوتے پھرغسل فرماتے یہاں تک کہ کپڑے پہننے کے قابل ہوجاتے توپہن کرایسے وقت چلتے کہ راستہ میں جمعہ کی اذان ہونےلگتی۔اذان سنتے ہی ایک دوڑلگاتے تاکہ آیت کریمہ''اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ''(جب نمازکیلئے اذان دی جائے تواللہ کےذکرکی طرف سعی کرو)پرعمل ہوسکے۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت علامہ انورشاہ صاحب طالب علم کوجاہلین کہہ کرپکاراکرتے تھےاوربعد فراغت جُہالین کہہ کرپکاراکرتے تھےاس لئے کہ علم درحقیقت اپنی جہالت کااعتراف ہےجوں جوں علم بڑھتا جاتا ہےاپنی جہالت کااعتراف بڑھتاجاتا ہےکہ اب تک میں اس سےبھی جاہل تھااس سےبھی ناواقف تھا۔

ارشاد فرمایا کہ: حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ زمانۂ طالب علمی میں کسی خط کا جواب نہ دیتے تھے،اس لئے کہ خط کے کے لئے پیسے نہ تھے،ایک ٹوٹا ہواگھڑارکھا تھااس میں ڈالتے رہتے، فراغت کے بعدسب کودیکھاتوکسی میں لکھاتھا کہ تمہارے بھتیجہ پیدا ہواہےتوفرمایا،''الحمدللہ''کسی میں لکھاتھا،تمہاری چچی کاانتقال ہوگیاہے،توفرمایا''انا للہ و انا الیہ راجعون''غرض تھوڑی دیرمیں سب کوپڑھ ڈالا۔

اخبار مظاہر

ترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مظاہری طالب علم کا شاندار کارنامہ

جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے متعلم تخصص فی الحدیث مولوی مسیح اللہ ایم پی نے تقریباً سوا دو سال کی قلیل مدت میں شعبہ کے استاذ مولانا مفتی اسرار صاحب کی زیر نگرانی مکمل بخاری شریف حفظ کر کے اپنا نام حفاظ حدیث میں لکھوایا ہے، مظاہر علوم کی خدمات حدیث کے اس زریں سلسلہ کی مناسبت سے ۸/ربیع الاول ۱۴۴۶ھ ۱۲/ستمبر ۲۰۲۴ء کو مدرسہ کی مسجد میں ناظم و شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد کیا گیا، جامعہ کے امین عام اور نائب ناظم مولانا مفتی سید محمد صالح صاحب نے خطاب کیا، مفتی صاحب موصوف نے طالب علم مذکور کی حوصلہ افزائی کی اور تمام طلبۂ حدیث کو حفظِ حدیث شریف کی ترغیب دی، اور کہا کہ وہ خدمات حدیث کے سلسلہ میں اپنی محنت اور بڑھائیں اور ایک امتیاز پیدا کریں، مفتی صاحب نے اپنی جانب سے طالب علم مذکور کو انعام سے نوازا۔

طالب علم مذکور نے بخاری شریف کی آخری حدیث پوری سند کے ساتھ ناظم جامعہ و شیخ الحدیث حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ کو حفظ سنائی، جامعہ کے صدر مفتی مولانا مفتی مقصود احمد صاحب کی دعا پر اس اجلاس کا اختتام ہوا۔

مظاہر علوم کی مجلس تعلیمی نے طالب علم موصوف کے لئے انعام کا فیصلہ کیا ہے جو ان شاء اللہ مدرسہ کے سالانہ انعامی جلسہ کے موقع پر من جانب مدرسہ دیا جائے گا۔

عالم اسلام کے معروف عالم دین مولانا محمد الیاس گھمن نے اس مناسبت سے ناظم و شیخ الحدیث مولانا سید محمد عاقل صاحب کے نام اس عظیم کارنامہ پر مبارکبادی کا ایک صوتی پیغام، اسی طرح ایک تحریر ارسال فرمائی۔

مکاتب دینیہ زیر انتظام مظاہر علوم میں ششماہی امتحانات

حسب معمول سابق مکاتب دینیہ کے ششماہی امتحان کی تاریخیں ۱۸/۲۵/ربیع الاول و ۲/ربیع الثانی ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۲/۲۹/ستمبر ۲۰۲۴ء اور ۶/اکتوبر ۲۰۲۴ء طے ہوئیں، مکاتب کے امتحان کے لئے

علی الترتیب مظاہر علوم کے کل بیس (۲۰) اساتذۂ کرام متعینہ تاریخوں میں تشریف لے گئے، پورے تیقظ اور دیانت دارانہ طریقے سے امتحان لے کر نمبرات دیئے اور گاؤں کے ذمہ داران سے ملاقات کر کے وہاں کی تعلیمی صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا اور باقاعدہ ہر ہر مکتب کی تعلیمی رپورٹ ممتحن حضرات نے تیار کر کے ناظم مکاتب مولانا مفتی سید محمد صالح کو پیش کی جس کی روشنی میں ان مکاتب کی آگے کی ترقی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ششماہی امتحان

۱۸/ربیع الاول ۱۴۴۶ھ سے ۲۷/ربیع الاول ۱۴۴۶ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۲۰۲۴ء منگل سے یکم/اکتوبر ۲۰۲۴ء منگل تک ۱۰/یوم میں امتحان ششماہی تقریری وتحریری ہوا۔

امتحانات مکمل ہونے کے بعد بدھ جمعرات میں اسباق کی تعطیل رہی، اس کے بعد ہفتہ کے روز سے اسباق حسبِ معمول شروع ہو گئے۔

ضروری اعلان

موجودہ دور میں ڈاک کا نظام بہت ہی ناقص چل رہا ہے متعدد ممبران ماہنامہ کی شکایت ہے کہ رسالہ دستیاب نہیں ہوتا ہے یا بہت تاخیر سے موصول ہوتا ہے اس لئے ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور کے جو ممبر اپنی سہولت کے لئے اسے رجسٹرڈ ڈاک سے منگانا چاہتے ہیں وہ ماہنامہ کی سالانہ فیس کے ساتھ ساتھ رجسٹرڈ ڈاک کا محصول مبلغ/ 300 روپئے الگ سے ارسال کریں، ان شاء اللہ ان کے پتے پر ماہنامہ رجسٹرڈ ڈاک سے ہر ماہ بھیجا جائے گا۔ خط وکتابت اور کسی قسم کے رابطہ کے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور بتائیں۔ (ادارہ)

ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور

خاص طور سے نئے فضلاء مدارس کی تحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی ایک تحریک ہے، نئے فضلاء کرام اپنی نگارشات ہمیں ارسال کر کے دعوت دین اور اشاعت اسلام کی اس تحریک کو مضبوط کریں۔

R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.
URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR

Rs. 30/-

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com